يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (قرآن)

قلبِ سلیم

قلبِ سلیم

قربانیاں

اللہ کی قدردانی

گناہ کی نحوست

حکمِ خدا کا ذرا توڑنا

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ



مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-2618003

قلب سلیم

صاحبِ دل، مفکرِ اسلام، پیر طریقت رہبرِ شریعت

محبوبُ العُلماءِ وَالصُّلحاء

حضرت مولانا پیر ذُوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

کے دل کو گرمانے والے خطبات کا مجموعہ

جو صوبہ سرحد کے شہر لتمبر، بابل، (ضلع کرک)

اور سرائے نورنگ کے سہ روزہ دورے

کے دوران مختلف اجتماعات میں بیان فرمائے۔

فہرست

☆☆☆

پیش لفظ

ہر دور اور ہر زمانے کے علماء وصلحاء کو یہ فکر رہتی ہے کہ مخلوقِ خدا جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ سے بچ جائے۔ چنانچہ اپنی اپنی بساط کے مطابق حتی المقدور اس کوشش میں لگے رہتے ہیں غافل مخلوق کو اللہ کی اطاعت و بندگی میں لگایا جائے۔ کہیں درس ہو رہے ہیں، کہیں ممبر پہ بیٹھے وعظ فرما رہے ہیں، کئی اپنے بستر کندھوں پر اٹھائے دَر دَر پھر رہے ہیں ہوتے ہیں۔ میرے شیخ حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم العالی کو تو یہ فکر بہت ہی زیادہ دامن گیر ہے۔ آپ کو امّت کی یہ فکر کسی کروٹ چین ہی نہیں لینے دیتی۔ شہر شہر، قریہ قریہ بلکہ ملک ملک کے سفر پر ہر وقت کمر بستہ رہتے ہیں۔ دنیا بھر کے ملک گویا آپ کے لئے کسی بستی کے گلی کوچے ہیں۔ یہ جان کر حیران رہ جاتے ہیں کہ ابھی امریکہ کے دورے سے گھر پہنچے، تین دن نہیں گزرنے پائے تو ساؤتھ افریقہ، دس دن بعد واپسی تو تین بعد پھر مکہ مدینہ۔

کبھی عرش پر کبھی فرش پر کبھی در بہ در کبھی ان کے گھر
غم عاشقی تیرا شکریہ میں کہاں کہاں گزر گیا

اندرونِ ملک دورے فرماتے ہیں تو کراچی سے کشمیر اور سوات مینگورہ تک، کسی کونے کو تشنہ نہیں رہنے دیتے۔ سال 2003 ۱۳، ۱۴، ۱۵ مارچ کو حضرت صاحب نے ضلع کرک (صوبہ سرحد) کا دروہ فرمایا۔ حضرت صاحب نے لتمبر، بابل خیل اور سرائے نورنگ میں پانچ بیانات ارشاد فرمائے۔ کثیر تعداد میں علماء طلباء اور عوام الناس توبہ تائب

ہو کر حضرت صاحب سے بیعت ہوئے۔

حضرت صاحب بہت مؤثر بیان فرماتے۔ آپ کا بیان دل و دماغ پہ چھا جایا کرتا ہے۔ سننے والا یہی تصور کرتا ہے کہ حضرت صاحب مجھے ہی نصیحت فرما رہے ہیں۔ اسی محفل میں آدمی کو اپنی کوتاہیوں، غفلتوں کا بھرپور احساس ہو جاتا ہے۔ گناہوں سے بدبو آنے لگتی ہے اور ہزاروں کا مجمع اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ تائب ہو کر یوں بلک بلک کر روتا ہے جیسے کچھ لوگ جنازہ اٹھاتے وقت روتے ہیں۔

ان سب بیانات کو جب کیسٹ سے کاغذ اور کمپیوٹر پہ چڑھایا گیا تو حضرت صاحب سے اجازت مانگی گئی، کیونکہ احباب اس کے چھاپنے کا پرزور مطالبہ کر رہے تھے۔ اس لئے کہ حضرت صاحب کے ان پانچوں بیانات میں سے ہر بیان آدمی کے دل کی دنیا بدلنے کے لئے کافی تھا۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اجازت مرحمت فرمائی۔

میں اپنے بھائی محمد یونس صاحب نقشبندی کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے انتھک کوشش کی، بہت کم وقت میں کمپوزنگ فرمائی اور جناب پروفیسر محمد قاسم محمود صاحب نقشبندی مجددی (کان اللہ لہ عوضا عن کل شیء) کا یہ احسان صرف مجھ پر ہی نہیں ہر قاری پر ہے، جنہوں نے خلوص دل سے اس کو چھاپنے کی حامی بھری۔ ورنہ جو لوگ حضرت صاحب کے اس دورے میں حاضر نہیں تھے وہ ان بیانات سے کیسے مستفید ہوتے۔

ہم حضرت صاحب کے خلفاء کرام جناب مولانا سیف اللہ جان صاحب اور جناب مولانا گل رئیس خان صاحب کے بے حد مشکور ہیں جنہوں نے مفید مشوروں، دعاؤں اور توجہات سے نوازا۔ نیز جماعت نقشبندیہ سرائے نورنگ کے احباب کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ہمیں مہمیز لگائی اور یہ مشکل کام ممکن ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ہمیں حضرت حافظ ذوالفقار احمد صاحب مدظلہ العالی جیسا شیخ عطا فرمایا جو جامع علوم شریعت و طریقت، نہایت متقی اور پرہیزگار انسان ہیں اور

اپنے متعلقین پر بڑے شفقت فرمانے والے ہیں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ حضرت صاحب کو اپنا شایانِ شان وصل نصیب فرمائے اور آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم ودائم رکھے، آمین ثم آمین۔

محمد ظفر اللہ خان نقشبندی
سرائے نورنگ فون 09261-350364

تقریظ

حضرت مولانا ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم العالی جس انداز میں اندرون و بیرون ملک طریقت و شریعت کیلئے کام کر رہے ہیں۔ وہ اکیلے ایک جماعت پر بھاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور آپ کی مساعی کو قبولیت سے نوازے۔ حضرت صاحب اپنے بیانات کے ذریعے سے سالکین اور عام مسلمانوں کی تربیت فرماتے ہیں۔ آپ کے بیانات میں وہ جذب ہوتا ہے کہ سامع اثر لئے بغیر نہیں رہتا۔ ان بیانات کا قاری خود کو آپ کی صحبت میں بیٹھا ہوا محسوس کرتا ہے۔ حضرت صاحب تقریباً ۳۵ کتب کے مصنف و مؤلف ہیں۔ اور اب تک تقریباً ۴۵ ممالک کے تبلیغی دورے فرما چکے ہیں۔ اپنے آبائی شہر جھنگ میں ایک بڑا منصوبہ معہد الفقیر الاسلامی کے نام سے شروع کر رکھا ہے۔ اللہ پاک اس کو تکمیل تک پہنچائے اور اس کو ہر قسم کی نظر بد سے بچائے رکھے۔

قلب سلیم حضرت صاحب مدظلہ کے دورہ کرک اور سرائے نورنگ کے ان بیانات کا مجموعہ ہے جو حضرت جی دامت برکاتہم نے مختلف مساجد اور مدارس میں وعظ فرمائے۔ میں ان سب احباب کے لئے دعا گو ہوں جنہوں نے ان مواعظ کو یکجا کر کے چھاپنے میں مدد کی۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب کے فیوضات سے ان سب احباب کو، جماعت نقشبندیہ (سرائے نورنگ، بنوں، کرک) اور تمام مسلمانان عالم کو مستفیض فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سیف اللہ جان صاحب
(خلیفہ مجاز حضرت جی دامت برکاتہم)
صدر مدرس مدرسہ عالیہ تعلیم الاسلام سرائے نورنگ

تقریظ

پیر طریقت حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ کی شخصیت مسلمانان عالم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ حضرت جی دامت برکاتہم دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک میں تبلیغ کے سلسلے میں دورہ فرماتے رہتے ہیں۔ نیز اندرون ملک مختلف شہروں کو اپنا وقت دیتے ہیں تاکہ سالکین و متوسلین آپ کی صحبت اور مواعظ سے مستفیض ہو سکیں۔ اس سلسلے میں بنوں نورنگ کے احباب نے حضرت کو دورے کی درخواست دی۔ جو آپ نے منظور فرمائی۔ اپنے تین روزہ دورے کے دوران حضرت صاحب نے اپنے گرانقدر بیانات سے سالکین کی تربیت فرمائی۔

چنانچہ جماعت نقشبندیہ سرائے نورنگ کے درد دل رکھنے والے احباب محمد ظفر اللہ خان صاحب، پروفیسر محمد قاسم محمود صاحب اور محمد یونس خان نقشبندی نے حضرت صاحب کے خلیفہ مجاز شیخ الحدیث مولانا سیف اللہ جان صاحب کی زیرِ نگرانی نہایت عرق ریزی سے ان بیانات کو حرف بحرف قلمبند کیا۔ حضرت جی دامت برکاتہم کے فیوضات عام کرنے کے لیے اور عوام الناس تک ان کا فائدہ پہنچانے کے لیے۔ ان بیانات کو شائع کیا۔ اللہ رب العزت ہم سب کو اور پورے عالم کو آپ کے ارشادات اور صحبت سے مستفیض فرمائے۔ نیز تمام جماعت نقشبندیہ سرائے نورنگ کو ظاہری اور باطنی ترقی عطا کرے۔ آمین۔

عاجز مولانا گل رئیس خان
(خلیفہ مجاز حضرت جی دامت برکاتہم)
خادم جامعہ دارالہدیٰ جامن روڈ بنوں
فون 0928-621966

قلبِ سلیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

تین اہم دن:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ۔ قیامت کے دن نہ مال کام آئے گا۔ نہ بیٹے کام آئینگے۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ جو انسان سنورا ہوا دل لایا وہ کام آئے گا۔ انسان کی زندگی میں تین دن بڑے اہم ہوتے ہیں۔ وہ دن جب وہ اس دنیا میں آیا، وہ دن اس کی زندگی کا بڑا اہم دن ہوتا ہے۔ شیطان انسان کو مس کرتا ہے۔ اللہ کرے کہ کوئی نیک بندہ ہو جو تھپک کرے اور بندے کے کان میں اللہ کا نام پہنچائے۔ اس کی اپنی برکت ہوتی ہے۔ ہماری زندگی کا یہ دن گزر چکا۔

زندگی کا دوسرا اہم دن وہ ہے جب انسان اس دنیا سے واپس جائیگا۔ اس کی موت کا دن، یہ دن بھی بہت اہم ہوتا ہے۔ اللہ کرے کہ اس وقت بھی کوئی نیک متقی آدمی موجود ہو جو ہمیں کلمے کی تلقین کرے۔

اور تیسرا وہ دن جب انسان اللہ رب العزت کے سامنے پیش ہوگا۔ اس لئے ان

تین دنوں کے بارے میں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا .

جو آیت تلاوت کی گئی اس میں تیسرے دن کا تذکرہ ہے اور یہ ہماری زندگی کا سب سے اہم دن ہوگا۔ جب اللہ رب العزت کے سامنے بندے کی پیشی ہوگی۔ قرآن مجید میں اس دن کو یوم تغابن فرمایا گیا تغابن کا مطلب فیصلہ، فیصلے کا دن، کھرے کھوٹے کی پہچان کا دن۔ ناپ تول کا دن، فتح اور شکست کا دن۔ انسان اس دن یا تو زندگی کی بازی جیت جائیگا یا زندگی کی بازی ہار جائیگا۔ وہ تیرے لئے ہار جیت کا دن ہے تو فرمایا اس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے کام آئیں گے۔

مال کی غلط فہمی:

مال کا تذکرہ اس لئے کیا کہ عام طور پر انسان کے دماغ میں یہ بات گھسی ہوئی ہوتی ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو میں ہر مشکل کا حل ڈھونڈ سکتا ہوں۔ مال کے ذریعے میں ہر پریشانی کو دور کر سکتا ہوں لیکن یہ غلط فہمی ہے۔ مال سے اس دنیا میں بھی ہر کام نہیں ہوتا۔ آخرت میں تو بالکل اس سے کام نہیں ہوگا۔ آپ خود سوچیے مال سے انسان عینک تو خرید سکتا ہے بینائی تو نہیں خرید سکتا، کتاب تو خرید سکتا ہے علم تو نہیں خرید سکتا۔ نیا بستر تو خرید سکتا ہے میٹھی نیند تو نہیں خرید سکتا۔ اچھا لباس تو خرید سکتا ہے حسن و جمال تو نہیں خرید سکتا۔ مال سے انسان خضاب تو خرید سکتا ہے شباب تو نہیں خرید سکتا اور مال سے انسان کسی کی خوشامد تو خرید سکتا ہے کسی کے دل کی محبت تو نہیں خرید سکتا۔ تو مال سے تو اس دنیا میں بھی ہر کام نہیں ہوتا۔ آخرت میں تو بالکل کوئی کام نہیں ہوگا۔

اولاد کی غلط فہمی:

جو بیٹوں کا تذکرہ کیا اس لئے کہ جس آدمی کے کئی بیٹے ہوں جوان العمر، کام کر رہے

ہیں، اچھے عہدوں پر فائز ہیں۔ اس کے دل میں بڑا ارمان ہوتا ہے، کوئی بات ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ میں فلاں بیٹے سے کہہ دوں گا، فلاں بیٹا میرا کام نکال دیگا۔ اس کو بڑا ناز ہوتا ہے۔ اس کی بھی نفی کر دی کہ قیامت کے دن بیٹے بھی کام نہیں آئینگے۔ تو پھر کیا چیز کام آئیگی اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۔ جو سنورا ہوا دل لایا وہ دل اسے کام آئیگا۔ قیامت کے دن کامیابی کا پیمانہ انسان کا دل بنے گا۔ اللہ تعالیٰ دل کو دیکھیں گے۔

قلبِ سلیم اور اس کی اہمیت:

قلب سلیم کہتے ہیں کہ جس دل میں ماسوا اللہ کی محبت نہ ہو۔ جو دل گناہوں کے داغ سے پاک ہو اس کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جب انسان گناہ کرتا ہے تو دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے اگر توبہ کر لی تو صاف ہو گیا اور اگر دوبارہ گناہ کر لیا تو پھر ایک داغ لگ جاتا ہے حتیٰ کہ گناہ کرتے کرتے وہ حالت ہو جاتی ہے کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس دل کو سنوارنے کی ضرورت ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اِنَّ فِي جَسَدِ بَنِي آدَمَ لَمُضْغَةً ، بے شک بنی آدم کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ۔ جب وہ بگڑتا ہے پورے جسم کے اعمال بگڑتے ہیں۔ اور جب وہ سنورتا ہے پورے جسم کے اعمال سنورتے ہیں۔ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ۔ جان لو کہ وہ انسان کا دل ہے۔ تو دل سنورنے سے انسان سنورتا ہے اور دل بگڑنے سے انسان بگڑتا ہے۔

حدیث قدسی ہے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔ نہ میں زمینوں میں سماتا ہوں نہ آسمانوں میں سماتا ہوں۔ میں مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں تو قلب عبداللہ، عرش اللہ ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے جیسے ہم بیت کہتے ہیں نا۔ کیوں کہتے ہیں بیت اللہ، معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ وہاں رہتے ہیں...... نہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ذاتیہ کا وہاں پر ورود ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بیت اللہ کہتے ہیں اگر بالفرض پتھر کا وہ کمرہ ہٹا دے وہ جگہ پھر بھی

بیت اللہ رہے گی۔ پھر بھی اس جہت میں نماز پڑھنے کا حکم ہوگا۔ تو جس طرح وہاں تجلیات پڑتی ہیں جب انسان اپنے دل کو سنوارتا ہے انسان کے دل پر بھی اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا ورود ہوتا ہے۔ اس لئے اس دل پر محنت کی ضرورت ہے حدیث پاک میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتے تمہاری شکلوں کو اور نہیں دیکھتے تمہارے مال پیسے کو وَ لٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ اَعْمَالِکُمْ ۔ وہ تو دیکھتے ہیں تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو۔ اللہ تعالیٰ کی نظر انسان کے دل پر ہے کہ انسان کا دل اس کی محبت سے لبریز ہے یا نہیں۔ دل بنانے سے بن جاتا ہے اور غفلت سے بگڑ جاتا ہے۔ اس لئے انبیائے کرام نے دنیا میں آ کر دل کو محنت کا میدان بنایا۔ انبیاء کرام نے عقلوں پہ محنت نہیں کی انہوں نے دلوں پہ محنت کی۔ اس لئے کہ ایمان کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ وحی کا تعلق دل کے ساتھ ہے الہام کا تعلق دل کے ساتھ۔ اللہ رب العزت کی محبت کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ تو انسان کے جسم میں سب سے قیمتی نعمت اس کا دل ہے۔ ایسی زندگی ہو کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھر جائے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے دل میں سما جائے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے دل میں چھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے دل میں آ جائے۔ جب دل میں محبت ہو تو پھر اس کے اثرات نظر آتے ہیں۔ نماز میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ تلاوت میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اخلاق و عادات میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ رفتار، کردار، چال ڈھال ہر چیز میں اس محبت کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ یہی چاہتے ہیں کہ میرے بندے اعمال کریں میری محبت کے ساتھ۔ قرآن مجید میں فرمایا۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا ۔ اب یہ عَلٰی حُبِّہٖ کا لفظ ہمارے لئے پیغام ہے کہ ہم کوئی بھی کام کریں اللہ تعالیٰ کی محبت میں کریں۔ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ ۔ دیکھا ایمان کامل ہوتا ہے اس سے تو یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے

کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت آئے اس کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان کے دل کو ٹٹولیں گے۔

ایک عمدہ مثال:

آپ نے دیکھا ہوگا کہ گھروں کے اندر بڑے بڑے صندوق ہوتے ہیں جن میں رضائیاں، کمبل، عورتیں رکھ دیتی ہیں۔ ان کو تالا ہی کوئی نہیں لگاتا۔ اس لئے کہ اس کی قیمت ہی کوئی نہیں۔ جب کہ ایک چھوٹا سا بکس ہوتا ہے "جیولری بکس" سونے کا بکس۔ جس میں عورتیں اپنا زیور رکھتی ہیں۔ وہ تالے میں پھر اس کو ایک بڑے بکس میں تالے میں۔ پھر کمرے کو تالا، تو تین تین تالوں میں رکھتی ہیں...... کیوں؟ اندر کی چیز قیمتی ہے۔ جو انسان غافل ہے اس کی حیثیت اس بڑے بکس کی سی ہے جس کے اندر بے قیمت چیز بھری پڑی ہے۔ کوئی دھیان ہی نہیں دیتا۔ اور جس دل میں اللہ رب العزت کی محبت بھری ہوئی ہے اس کی مثال ایسے جیسے اس کے اندر سونا بھرا ہوا ہے۔ اسی لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "او مغل بادشاہو! تمہارے خزانے سونے، چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھرے ہوئے ہیں اگر تمہارے تمام خزانے اکٹھے کئے جائیں تو بھی یہ ولی اللہ کے دل کی قیمت ادا نہیں کر سکتے۔ میرے سینے میں وہ دل ہے جو تمہارے سب خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے"۔ تو واقعی جب انسان دل پہ محنت کرتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی گزرگاہ بن جاتا ہے۔ اس کی رحمت انسان کے دل میں سما جاتی ہے۔ تو کوشش یہ کرنی چاہیے کہ ہم اپنے دل کو سنواریں۔ اس لئے کہ پروردگار عالم نے قیامت کے دن دل کو دیکھنا ہے۔ آپ غور کریں کہ اگر کوئی سیب خریدنا چاہے اور وہ گل گیا ہو تو روپے کے بدلے میں آپ وہ داغ والا سیب قبول نہیں کرتے۔ اگر ہم لوگ ایک روپے کے بدلے میں داغی سیب قبول نہیں کرتے تو اللہ رب العزت اپنی جنتوں کے بدلے داغی دلوں کو کیسے قبول فرمائیں گے۔ ہر انسان اپنے گھر کو صاف دیکھنا

چاہتا ہے۔ کسی بھی پڑھے لکھے انسان کے گھر کے اندر گندگی ہو، بو آ رہی ہو، نجاست پڑی ہو تو اس کو کتنا غصہ آتا ہے کہتا ہے کہ صاف ستھری جگہ ہو۔ اس لئے گھر میں عورتیں دو گھنٹے، چار گھنٹے روز گھر کی صفائی کرتی ہیں۔ اگر انسان اپنے گھر کو صاف چاہتا ہے تو رحمٰن بھی اپنے گھر کو صاف چاہتے ہیں۔ وہ بھی یہی چاہتے ہیں کہ اے بندے میرے گھر کو صاف کر دے۔

علمی نکتہ:

اچھا یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ گھر صاف ہو تو وہ خود صاف کر دے۔ پھر بندے کے ذمے کیوں ہے کہ صاف کرو بھئی۔ جب چاہتے ہیں کہ میرا گھر صاف ہو تو صاف کر دے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نظر گھر صاف کر دے گی۔ تو یہاں علماء نے ایک نکتہ لکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ بندے کی حیثیت میزبان کی سی ہے اور پروردگار عالم کی حیثیت مہمان کی ہے۔ اور گھر کا صاف کرنا مہمان کے ذمہ نہیں میزبان کے ذمے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس گھر کو صاف کریں۔ حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر لکھا۔ حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اتنا پسند آیا (کہ اس دور میں استاد کا مشاہرہ پانچ یا دس روپے ہوتا تھا) حضرت نے فرمایا کہ اگر میرے پاس مال ہوتا، صاحبِ استطاعت ہوتا اس شعر لکھنے پر ایک لاکھ انعام دیدیتا۔ اور وہ شعر کیا تھا؟ بہت سادہ۔ شعر یہ لکھا

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

محبوب خلوت چاہتا ہے تو جب ہم دنیا کی محبت دل سے نکالیں گے اور خلوت ہوگی پھر محبوب بھی اسی جگہ نظر ڈالنا پسند فرمائیں گے۔ تو ہمیں اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

دل کیسے صاف ہو؟

اب دل کیسے صاف ہو؟ یہ ذکر اللہ سے صاف ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کے ذکر سے دل صاف ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا

لِكُلِّ شَيْءٍ ثِقَالَتٌ وَ ثِقَالَتُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ

''ہر چیز کیلئے ایک پالش ہوتی ہے اور دلوں کی پالش اللہ تعالیٰ کی یاد ہے''

جتنا اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کریں گے اتنا ہی دنیا کی محبت دل سے نکلے گی اور اللہ رب العزت کی محبت آئے گی۔ مفسرین نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ ملکہ بلقیس کو جب بتایا گیا کہ یہ پیغام ہے اور اس کے لوگوں نے کہا کہ آپ جو کہیں گی ہم آپ کا ساتھ دیں گے تو وہ آگے سے کہنے لگی

اِنَّ الْمَلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اذِلّته.

کہ جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں فساد مچا دیتے ہیں اور وہاں جو معزز ہوتے ہیں ان کو ذلیل کر کے نکال دیتے ہیں۔ تو یہ اس کا ظاہری ترجمہ ہے۔ مگر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بہترین تمثیل ہے سمجھنے کیلئے۔ کہ اگر اِنَّ الْمَلُوْكَ سے مراد اللہ رب العزت کا نام لیا جائے جو مالک الملک ہے۔ اور قریہ سے مراد دل کی بستی لی جائے۔ تو پھر اس کے معنی یوں بنیں گے۔ اِنَّ الْمَلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً جب اس مالک الملک کا نام اس دل کے قریہ میں داخل ہوتا ہے، بستی میں داخل ہوتا ہے۔ اَفْسَدُوْهَا انقلاب برپا کر دیتا ہے، وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اذِلّته اور دنیا جو دل میں معزز ہوتی ہے اس کو ذلیل کر کے نکال دیا کرتا ہے۔ اللہ رب العزت کا نام ہمارے لئے تریاق ہے۔

دل کے دروازے:

دل کے چار دروازے ہیں ان دروازوں سے انسان کے دل میں نور بھی آسکتا ہے اور ان دروازوں سے انسان کے دل میں شر بھی آسکتا ہے۔ مومن کو چاہیے کہ چاروں دروازوں پر کنٹرول رکھے۔ جب آپ کمرے میں آئیں اور دیکھیں کہ فرنیچر پہ مٹی پڑی ہے کپڑوں پہ مٹی پڑی ہے، برتن پہ مٹی پڑی ہے تو فوراً آپ دیکھیں گے کہ کوئی دروازہ، کھڑکی یا روشندان کھلا رہ گیا تب ہی مٹی آئی ہے۔ تو سب دروازے بند کریں گے کہ مٹی اندر نہ آئے اس طرح اگر مومن اپنے دل کے دروازوں کو بند رکھے، کنٹرول رکھے تو اس کے دل میں گناہوں کی مٹی اور میل نہیں ہوتی۔

پہلا دروازہ:

یہ دروازے کون سے ہیں۔ سب سے بڑا دل کا دروازہ انسان کی آنکھیں ہیں۔ آنکھ اگر اچھی چیز دیکھے گی تو دل میں نور آئیگا۔ مثلاً بیت اللہ شریف کو دیکھا دل میں نور آتا ہے...... قرآن مجید کو دیکھا دل میں نور آتا ہے...... ماں باپ کے چہرے کو دیکھنے سے دل میں نور آتا ہے...... علماء صلحاء کے چہرے کو دیکھا دل میں نور آتا ہے۔ تو ان چیزوں کو دیکھنے سے دل میں نور آتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات اللہ والوں کے چہروں پہ نظر پڑتی ہے تو بندے کے دل کی گرہ کھل جاتی ہے۔ اور انہی آنکھوں کو اگر غلط استعمال کیا جائے تو دل کے اندر شر آتا ہے۔ مثلاً شریعت نے جن چیزوں کو دیکھنے سے منع کیا ان کی طرف دیکھنے سے انسان کے دل میں ظلمت آتی ہے۔ اس لئے حکم دیا مومن کو کہ دو چیزوں کی طرف مت دیکھیں۔ طلباء کے لئے علمی نکتہ۔ دو چیزوں کی طرف مت دیکھیں،

سب سے پہلے نامحرم کی طرف مت دیکھیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا

قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ.

ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں۔

نیچا رکھنے میں ہی عافیت ہے۔ اس لئے کہ جب نیچا رکھیں گے تو دیکھنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ حکمت دیکھئے۔ سبحان اللہ! قرآن مجید کا اعجاز ایسا کہ ایک ایک لفظ جو استعمال ہوا ہے اس میں حکمت ہے۔ مثال کے طور پر ایک چھوٹی سی بات درمیان میں آگئی کہ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جب تم تین ہوتے ہو تو وہ چوتھا ہوتا ہے اور چار ہوتے ہو تو پانچواں وہ ہوتا ہے۔

وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ.

وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں تم ہوتے ہو۔

عجیب بات یہ دیکھئے کہ بات شروع کی کہ جب تم تین ہوتے ہو تو وہ چوتھا ہوتا ہے۔ حالانکہ سرگوشی تو دو بندے کرتے ہیں۔ آپس میں بیٹھ کر تو بات چیت دو سے شروع ہوتی ہے۔ تو رب کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم دو ہوتے ہو تو وہ تیسرا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ دوسری جگہ فرما دیا تھا کہ

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ.

ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا۔ تو چونکہ ثالث و ثلاثہ فرما دیا تھا۔ اس لئے دو کی بات نہیں کی۔ کیا فرمایا کہ جب تم تین ہوتے ہو تو کیا ہوتا ہے سبحان اللہ! حیران ہوتے ہیں۔ یہ اعجاز ہے قرآن مجید کا ایک ایک لفظ کے اندر پتہ نہیں کیا کیا معرفتیں بھری ہوئی ہیں۔ تو فرمایا کہ ایمان والوں سے کہہ دیجئے اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں۔ موٹی بات کر دی۔ اچھا اگر کہتے کہ فلاں کو نہ دیکھیں فلاں کو نہ دیکھیں تو نگاہیں تو اونچی رہتیں نا۔ تو اگر ایک مرتبہ نہ دیکھتے تو کہہ دیتے کیا کریں جی دوسری مرتبہ نظر پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے پتہ ہی صاف کر دیا۔ بھئی تم نگاہیں اوپر اٹھاؤ ہی نہیں، نیچی رکھو۔ جب انسان نگاہیں نیچی رکھنے کی عادت بنا لے گا تو پھر اس کے لئے نگاہوں کو غیر محرم سے ہٹانا آسان

ہو جائیگا۔ اس لئے نگاہوں کو نیچا رکھیں۔

دیکھیں! شیطان نے کہا تھا اے اللہ میں اولادِ آدم کو دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے، چار اطراف سے اس کو ورغلاؤں گا۔ تو مفسرین نے لکھا کہ ان چار سمتوں سے تو شیطان حملہ آور ہو سکتا ہے اب محفوظ سمتیں دو تھیں۔ یا اوپر کی سمت یا نیچے کی سمت تھی۔ اب چلتے ہوئے انسان اوپر آسمان کی طرف دیکھ نہیں سکتا۔ ٹھوکر کھائے گا اور خود گر جائے گا۔ تو ایک سمت باقی رہی وہ کونسی؟ نیچے والی۔ لہٰذا! قرآن مجید میں یہی فرمایا قُل لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ. نگاہوں کو نیچا رکھیں۔ اسی میں ہمارے لئے فائدہ ہے۔ نگاہوں کو نیچا رکھیں۔

دوسرا مال کی طرف نظر اٹھانے پر منع فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ.

یہ جو کافروں کو مال منال دیا گیا ہے اے محبوب ﷺ! اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۔ تو ایک جمال کو دیکھنے سے منع کیا اور ایک مال کو دیکھنے سے منع کیا۔ اور جمال وہ جو خلاف شرع ہو۔ ورنہ جہاں شریعت نے اجازت دی انسان اس کو دیکھے۔ تو دو چیزوں کو دیکھنے سے منع فرمایا۔ اور واقعی جو بندہ کسی کے مال پہ نظر رکھے اس کے دل کے اندر کبھی بھی شکر کی کیفیت نہیں ہوتی۔ وہ شکر سے محروم ہو جاتا ہے۔

دو چیزوں کو دیکھنے سے منع کیا اور ایک چیز کو دیکھنے کا حکم دیا۔ یہ بھی مزے کی بات۔ قرآن مجید میں ایک چیز دیکھنے کا حکم فرمایا۔ ارشاد فرمایا۔ وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ ، اپنے نفس کو صبر دیجئے۔ اپنے آپ کو بٹھائیے۔ اپنے آپ کو تھمی رکھیئے۔ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔ ان لوگوں کے ساتھ جو صبح شام اللہ کو یاد کرتے ہیں اللہ کی رضا جوئی کے لئے۔ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۔ ان کے چہروں سے نگاہیں نہ

ہٹائیے۔ اگر نگاہیں ہٹائیں گے۔ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۔ اللہ والوں، باخدا لوگوں کی طرف نظر جمانے کا حکم دیا گیا۔

آج کے دور میں فحاشی، عریانی عام ہوگئی تو یہ آنکھوں کا گناہ عام ہو چکا ہے۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ باقی گناہ کرنے میں انسان کو ذلت کا اندیشہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر چوری کی...... اندیشہ کہ پکڑا جاؤں گا، ذلت ہوگی۔ جھوٹ بولا، دل میں ڈر ہوتا ہے پتہ چل گیا تو لوگ کیا کہیں گے۔ کہیں گے دیکھو بھئی ظاہری شکل تو مؤمنوں والی ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔ حتیٰ کی زنا کیا تو ڈر ہوتا ہے کہ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو ساری زندگی کے لئے بدنام ہو جاؤنگا۔ ہر گناہ کے پیچھے بدنامی کا خوف ہوتا ہے لیکن یہ بدنظری ایسا گناہ ہے کہ جس کا دوسروں کو پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے بدنامی کا ڈر ہی کوئی نہیں۔ اب طالب علم جا رہے ہیں کسی کو دیکھ بھی لیا تو طالب علم صاحب طالب علم ہی...... ہیں کسی کو کیا پتہ؟ قاری صاحب نے دیکھ بھی لیا تو کسی کو کیا پتہ؟ قاری صاحب ہی ہیں۔ حاجی صاحب نے دیکھ بھی لیا کسی کو کیا پتہ؟ حاجی صاحب ہی ہیں۔ یہ ایسا گناہ کہ جس پر بدنامی کا ڈر کوئی نہیں۔ اس لئے آسان ہے۔ اور اگر بندے کو پتہ ہو کہ میں جس غیر کی طرف دیکھ رہا ہوں اس کا کوئی قریبی مجھے دیکھ رہا ہے تو پھر کبھی اس کی طرف نظر نہیں اٹھائے گا۔ اب ڈر ہے سزا کا۔ اس لئے جب تک دل میں اللہ رب العزت کا خوف نہ ہو انسان غیر محرم سے اپنی نگاہوں کو نہیں ہٹا سکتا۔ یہ ایسا گناہ ہے۔ اور اس کی ظلمت دل پر، سیدھی دل پر پڑتی ہے۔ اس لئے یہ بدنظری کا گناہ عام ہونے کی وجہ سے آج دلوں میں ظلمت عام ہے۔ خیالات ہر وقت الٹے سیدھے...... حتیٰ کہ نماز کھڑے پڑھ رہے ہیں نماز کے اندر بھی ان کو گناہوں کے خیال آ رہے ہیں۔ اس گناہ سے بچنے کے لئے بہت زیادہ کوشش کرنے کی ضرورت ہے اور یہ گناہ نقصان بھی زیادہ دیتا ہے۔ اس کی ایک وجہ ہے کہ اگر بالفرض بیوی دیکھے اپنے خاوند کو کہ وہ کسی غیر عورت کو دیکھ رہا تو ہے بیوی کو کتنا غصہ آئے گا۔ یا خاوند دیکھ لے کہ

بالفرض اس کی بیوی غیر مرد کو دیکھ رہی ہے تو خاوند کو کتنا غصہ آئے گا۔ کیوں؟ کیونکہ میاں بیوی کے درمیان محبت کا تعلق ہوتا ہے۔ اور جہاں محبت ہوتی ہے وہاں غیرت ہوتی ہے۔ غیرت نہیں برداشت کرتی کہ کسی اور کی طرف نظر اٹھا کے دیکھے۔ تو جس طرح بندے کی غیرت برداشت نہیں کرتی کہ کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کے دیکھے۔ یہ اللہ رب العزت کی غیرت کا معاملہ ہے۔ اس لئے اس گناہ پہ پکڑ جلدی ہو جاتی ہے کئی مرتبہ۔

جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے کسی اچھی شکل والے لڑکے کو دیکھا۔ پوچھنے لگا حضرت ایسے چہرے بھی جہنم میں چلے جائیں گے (کوئی کافر لڑکا تھا) فرمایا تیری نظر بد ہے ابھی توبہ کر لے ورنہ اس کا وبال پڑے گا۔ وہ کہنے لگا نہیں میرا گناہ کا ایسا خاص ارادہ تو تھا نہیں۔ میں نے تو ذرا اچھی شکل سمجھ کے دیکھا۔ تو اس نے شیخ کی بات کو ہلکا سمجھا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ اس گناہ کی نحوست ایسی پڑی کہ بیس سال کے بعد قرآن مجید جو یاد تھا اس کو مکمل بھول گیا۔ یہ اللہ رب العزت کی غیرت کا معاملہ ہے۔ یہ تو کریم ہیں نا کہ ہم آنکھ اٹھا کے دیکھتے ہیں وہ پھر بھی بینائی سلامت رکھ دیتے ہیں۔ ورنہ کبھی کبھی اپنی بے نیازی کا اظہار جو کر دیتے ہیں تو پھر ایک نظر انسان کے لئے برباد ہو جانے کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ ایک نظر۔

علماء نے لکھا ہے کہ مصر کی جامع مسجد میں مؤذن اذان دینے کے لئے اوپر چڑھا۔ ہمسائے میں عیسائی رہتے تھے۔ نئے آ کے بیٹھے تھے ان کی جوان العمر لڑکی کوئی کپڑے وغیرہ خشک کرنے کے لئے ڈال رہی تھی۔ اس پر نظر پڑی۔ اس کا حسن دیکھ کر حیران ہوا۔ تعارف نہیں۔ کہنے لگا ابھی اذان دینے میں پانچ منٹ باقی ہیں میں ذرا تعارف تو کروں کہ یہ ہمسائے میں کون آ کے بیٹھے ہیں۔ نیچے اترا ان کے پاس گیا۔ ان سے تعارف ہوا۔ انہوں نے کہا جی ہمیں یہ مکان کرایہ پر ملا۔ بات ذرا آگے بڑھی تو پتہ چلا کہ وہ ان کی بیٹی ہے اور ابھی کنواری ہے جوان العمر ہے۔ تو مؤذن صاحب نے بات بڑھا دی کہ میں

چاہتا ہوں جی کہ آپ کے ساتھ ہمارے گھریلو تعلقات بھی ہوں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا آؤ۔ وہ اس کو لیکر چھت کے اوپر جانے لگا کہ اس بندے کا جو پاؤں پھسلا، گردن کے بل گرا اور وہیں اس کی موت آ گئی۔ مینارے پر چڑھا تھا اذان دینے کیلئے۔ اک بری نظر پڑی نیچے اترا اور کافر کے ساتھ رشتہ داری جوڑنے کے لئے اوپر چڑھنے لگا ایمان سے محروم ہو کے دنیا سے چلا گیا۔ تو یہ اللہ رب العزت کی غیرت کا معاملہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ.

جو چاہیں گے گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے شرک کو معاف نہیں کریں گے۔ علماء نے لکھا کہ شرک بھی اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معاملہ ہے۔ تو جہاں غیرت آ جاتی ہے اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ غیور ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ أَنَا أَغْيَرُ وُلْدِ آدَمَ وَاللّٰهُ أَغْيَرُ مِنِّي۔ میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت والے ہیں۔ تو یہ بدنگاہی یہ بہت نقصان دینے والا گناہ ہے۔ نگاہوں کو پاک کرنے کی ضرورت ہے۔

سوچ کا اثر دل پر

اور انسان کی سوچ سے یہ نگاہ غلط بھی ہو جاتی ہے، یہ نگاہ ٹھیک بھی ہو جاتی ہے۔ سوچ کا انسان پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے ہمارے مشائخ کہتے ہیں کہ لیٹے، بیٹھے، چلتے پھرتے ہر وقت دل میں اللہ کا دھیان رکھیں۔ تا کہ گناہوں کی طرف سوچ ہی نہ جائے۔ تو گناہوں کی سوچ سے انسان بچے۔ یہ جو ہوتا ہے نہ برا خیال دل میں لانا اور اس کو دل میں جمانا، یہ انسان کی بربادی کا سبب بنتا ہے۔ ہر وقت دل میں اللہ کی یاد رہے دھیان رہے۔ تو انسان کے دل کا پہلا دروازہ انسان کی آنکھیں ہیں۔ جو یہ چاہتا ہے کہ مجھے اللہ کی محبت کی لذت نصیب ہو جائے۔ اس کو چاہئے کہ آنکھوں کی کھڑکیاں غیر سے بند کر

لے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں سب سے زیادہ سریع الحرکت چیز انسان کی پلکیں بنائی ہیں۔ یہ انسان کی آنکھوں کے اوپر کا ڈھکنا سب سے جلدی حرکت کرتا ہے۔ قیامت کے دن کوئی صاحب بہانہ نہ کردے اللہ! میں نے تو دیکھ کے آنکھ بند کرنا چاہا لیکن بند کرتے کرتے دیر لگی نظر پڑ گئی تھی۔ پلک جھپکنا سب سے کم وقت بتانے کے لئے ایک معیار بن گیا۔ کہتے ہیں نا ''پلک جھپکنے کی دیر میں''۔ اتنے تھوڑے وقت میں پلک بند ہوتی ہے۔ اس لئے بند ہوئی کہ پروردگار چاہتے ہیں کہ میرا بندہ غیر کی طرف دیکھے ہی نہ۔ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ وہ نابینا جو ماں کے پیٹ سے نابینا پیدا ہوا مگر اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، صبر کیا اس اندھے پن کے اوپر، وہ صابر رہا۔ جب وہ جنت میں جائیگا تو جنت میں عام مومنوں کو مہینے میں ایک دفعہ دیدار ہوگا یا جمعہ کے دن دیدار ہوگا یا دن میں ایک مرتبہ دیدار ہوگا لیکن یہ نابینا جب جنت میں جائیگا اس کو ہمہ وقت دیدار نصیب ہوگا۔ اور یہ کیوں ہوگا۔ اس کا اکرام کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ میرا وہ بندہ ہے جس نے دنیا میں میرے غیر کو محبت کی نظر سے نہیں دیکھا اس لیے اب یہ جب چاہے میرا دیدار کرسکتا ہے۔ ہر وقت اس کو دیدار نصیب ہوگا۔ اس لیے نظر اٹھا کر دیکھنے سے بہت ڈریں ہم۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ انسان کے دل کی نورانیت بالکل ختم ہو جاتی۔ ایک مرتبہ کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے تو جو لوگ اپنے دل کو بنانا اور سنوارنا چاہتے ہیں ان حضرات کو چاہیے کہ اس کو بہت زیادہ اہم سمجھیں، اپنی نگاہوں کو غیر سے بچانا چاہے وہ مرد ہو چاہے وہ غیر محرم عورت ہو۔

دوسرا دروازہ

دوسرا دروزہ انسان کی زبان ہے۔ جو کچھ انسان زبان سے بولتا ہے اس کا دل پر اثر ہوتا ہے۔ اگر زبان سے قرآن پڑھا تو دل میں نور آیا۔ اور اگر اسی زبان سے کسی کیساتھ غلط باتیں کیں تو دل کے اندر ظلمت آگئی۔ کسی کی غیبت کی دل میں ظلمت آگئی۔ جھوٹ بولا

دل میں ظلمت آگئی۔ زبان کے غلط استعمال سے دل میں ظلمت آتی ہے۔ اور زبان کے صحیح استعمال سے دل میں نور آتا ہے۔

سچ اور سچائی کا معاملہ

اس پر بھی نظر کریں کہ ہم اپنی زبان کو کیسے استعمال کرتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے سچ بولنا اور ایک ہوتا ہے جھوٹ نہ بولنا۔ دونوں میں فرق ہے کئی دفعہ بندہ سچ تو بول رہا ہوتا ہے لیکن دوسرے کو مفہوم غلط پہنچ رہا ہوتا ہے۔ مجھے ایک صاحب کے بارے میں بتایا کہ انہوں نے ایک کمرے کا نام لاہور رکھا، دوسرے کا کراچی، تیسرے کا پشاور، اب ٹیلیفون آیا، جی وہ تو لاہور گئے ہوئے ہیں۔ اپنے ذہن میں تو وہ سچ بول رہا ہے لیکن دوسرے کو تو آگے پیغام جھوٹ مل رہا ہے۔ اس لئے شریعت نے جو مکارم اخلاق بتائے اس میں سچ کو دو حصوں میں رکھا ہے، ایک سچ بولنا اور ایک سچائی کا معاملہ کرنا۔ تو سچ بولنا الگ چیز ہے، سچائی کا معاملہ کرنا الگ چیز ہے۔ کئی مرتبہ بندہ سچ بول رہا ہوتا ہے لیکن سچائی کا معاملہ نہیں کر رہا ہوتا۔ شریعت نے دیکھو کیسے پتہ صاف کیا۔ سچ بولنا، سچائی کا معاملہ کرنا۔ ایک تو ہوتا ہے سچ بولنا، ہمارے مشائخ سچ بولنے پہ زور دلوانے کی بجائے اس پہ زور دیتے ہیں کہ تم نے جھوٹ نہیں بولنا، یہ بات ذرا سمجھنے کی ہے۔ سچ بول کے بھی بندہ کئی مرتبہ غلط مفہوم پہنچا دیتا ہے۔ اس لیے ہمارے مشائخ نے فرمایا اس پہ محنت کرو کہ میری زبان سے جھوٹ نہ نکلے۔ اور الحمد للہ ہمارے مشائخ کی صحبت میں سالکین 33، 33 سال گزارتے ہیں اور آج دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ جنہوں نے ارادے سے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ یہ جب آپ محنت کرنا شروع کریں گے تب آپ کو پتہ چلے گا یہ کتنا مشکل کام ہے۔ بے اختیار جھوٹ نکل جاتا ہے۔ ذرا کسی کے ناراض ہونے کا ڈر ہو گیا غلط بول گئے، ذرا کسی کی ڈانٹ کا ڈر ہوا غلط بول دیا۔ آج کل کے طلبہ نے اس کا نام بہانہ رکھا ہوا ہے۔ جھوٹ کو نئے نئے نام دے دیئے۔ تا کہ جائز نظر آئے۔ یہ نفس کی شرارتیں ہیں۔ یہ بہانہ نہیں

ہوتا یہ جھوٹ ہوتا ہے۔تو عزیز طلباء! جھوٹ نہ بولنے پہ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

اس پوائنٹ کی اہمیت کو سمجھئے۔سارا دن اپنے آپ یہ دھیان رکھیے کہ میں جھوٹ تو نہیں بولتا۔اور محنت کریں جو بولیں اپنے کانوں سے سننے کی کوشش کریں۔کئی دفعہ تو بندہ زبان سے گالیاں بھی نکال دیتا ہے۔اس کو کہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ کہتا ہے کہ میں نے تو کچھ نہیں کہا۔خود اپنی زبان سے لفظ نکالتا ہے اپنے کان نہیں سنتے۔یاد رکھنا! جس شخص کے اپنے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو اس کے اپنے کان نہیں سنتے جو اتنا قریب ہے۔تو وہ کان کیسے سنیں گے جو بعید ہیں۔پھر کہتے ہیں کہ جی لوگوں پہ اثر نہیں ہوتا۔آپ پہ خود اثر نہیں ہوتا لوگوں پہ کیا اثر ہو۔یہی تو فرق ہے۔اللہ والے جب کچھ کہتے ہیں وہ خود بھی سن رہے ہوتے ہیں۔اس لئے جب وہ لوگوں کو بات کہہ رہے ہوتے ہیں لوگ بھی دل کے کانوں سے سن رہے ہوتے ہیں۔تو اس پہ محنت کرنے کی ضرورت ہے کہ انسان جھوٹ نہ بولے۔ہر وقت نظر رہے۔اگر آپ محسوس کریں کہ آپ نے غلط بیانی کی۔اللہ کے سامنے استغفار کریں۔یہ چیز بہت فائدہ دے گی۔یاد رکھیں! جو انسان اپنے علم اور ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے رب کریم اس کا نام اپنے صدیقین کی لسٹ میں لکھوالیا کرتے ہیں۔جو انسان اپنے علم و ارادے سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے پروردگار عالم اس کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتا ہے۔تو اس پہ محنت کریں کہ زبان سے جھوٹ نہ نکلے۔بس! ہر وقت نظر رہے طالب علم کی اس پر، سالک کی نظر رہے کہ میری زبان سے جو نکل رہا ہے سچ ہونا چاہئے۔اور یہ انتہائی مشکل کام ہے۔

؎ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اللہ والوں کا طریقہ یہی رہا ہے سچ بولتے ہیں۔یاد رکھنا! جھوٹ جتنا بھی تیز بھاگے گا ہمیشہ سچ اس کو جا کے پکڑ لے گا۔سچ بولنے کا ایک تو بڑا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو یاد نہیں

رکھنا پڑتا کہ میں نے اس کو کیا کہا تھا۔جھوٹ بولے گا تو یاد رکھنا پڑے گا کہ میں نے پہلے اس کو کیا کہا تھا۔اس لیے جب دوسری مرتبہ پوچھو تو جھوٹ کا پتہ چل جاتا ہے۔تو سچ بولنے کا بڑا فائدہ یہ کہ یاد نہیں رکھنا پڑتا کہ میں نے کس بندے کو کیا کہا تھا۔جب سچ بولیں گے تو وہی کچھ کہیں گے۔تو پہلی بات نگاہوں کا پرہیز، اور دوسری بات جھوٹ بولنے سے پرہیز، غیبت کرنے سے پرہیز۔اس سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔

تیسرا دروازہ:

تیسرا دروازہ انسان کے کان۔جب کان غلط چیزیں سنتا ہے اس سے بھی دل میں اثرات پڑتے ہیں۔اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ موسیقی سننے سے دل میں گناہ کے خیال اس طرح جنم لیتے ہیں جیسے بارش برسنے سے زمین میں سے کھیتی نکلتی ہے۔اب گھروں میں ٹی وی لا کے رکھ دیتے ہیں۔ڈرامے، ٹی وی، کیبل، ڈش، پہلے زمانے میں اینٹینے ہوتے تھے ٹی وی کے۔کہ لعنت اترتی تھی تو پھسل جاتی تھی۔اب آج کل ڈش آگئی ہے۔مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ جیسے لعنت کا ٹوکرا رکھا ہوا ہے۔آپ نے دیکھا ہے الٹا رکھا ہوتا ہے یوں کر کے، کہ لعنت آ کے جمع ہوتی ہو اس کے اندر ساری۔تو جب گھر کی بچیاں موسیقی سنیں گی تو ان کے دل کے اندر غلط خیال پیدا نہیں ہونگے۔تو نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کا مفہوم ہے کہ موسیقی کے سننے سے دل میں زنا کی خواہش اس طرح پیدا ہوتی جس طرح بارش کے برسنے سے زمین میں کھیتی پیدا ہوتی ہے۔اس لیے طلباء کو چاہیے کبھی بھی اس گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔تین دروازے۔

چوتھا دروازہ:

انسان کی سوچ، انسان کا دماغ، انسان کے خیالات یہ چوتھا دروزہ ہے۔ذہن میں جو خیالات رہیں گے دل پر اسی کا اثر ہوگا۔جو نیک باتوں کو سوچے گا تو دل پر نیک اثر

ہوگا۔ جو الٹی سیدھی باتوں کو سوچے گا تو اس کا اثر ویسے ہی ہوگا۔ تو اپنی سوچ کو پاک کر لیجیے۔ سوچ کا اثر ہوتا ہے انسان کے اوپر۔ اللہ رب العزت سے دعا کیجیے کہ پروردگار عالم ہمیں ان چار دروازں کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔ لیٹے، بیٹھے، چلتے پھرتے ان دروازوں کے دھیان رکھیں۔ اور ان سے اندر ظلمت نہ جانے دیں۔ انشاء اللہ تھوڑی سی محنت کریں گے اللہ تعالی اپنی نور سے دل منور فرما دیں گے۔ رب کریم ہمارے دل قلب سلیم بنا دیں۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العٰلمین

گناہ کی نحوست

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُجْزَ بِهٖ
و قال تعالیٰ فی مقام آخر
وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّءُ اِلَّا بِاَهْلِه. (فاطر: ۴۳)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَo وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

گناہ کیا ہے؟

چھوڑ دو وہ گناہ جو تم ظاہر میں کرتے ہو یا چھپے ہوئے کرتے ہو۔ گناہ کہتے ہیں اللہ رب العزت کے حکم کی نافرمانی کرنا، نبی ﷺ کی مبارک سنت سے روگردانی کرنا۔ ہر مومن کو چاہیے کہ گناہوں سے پرہیز کرے۔ ایک ہے نیکیوں کا زیادہ کرنا، ایک ہے گناہوں سے بچنا۔ دونوں کام ضروری ہیں لیکن اگر تقابل کیا جائے تو گناہوں سے بچنا زیادہ ضروری ہے بہ نسبت نفلی کام کرنے کے۔ نفلی عبادتیں زیادہ کرنا وہ درجہ نہیں رکھتی جتنا کہ گناہوں سے بچنا اہم اور ضروری ہے۔

خشیت کیا ہے؟

گناہ کی مثال بچھو کی مانند ہے اور بچھو نقصان دیتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ سانپ

نقصان دیتا ہے چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ کبھی کسی نے چھوٹے بچھو کو اس لیے ہاتھ نہیں لگایا کہ یہ چھوٹا ہے۔ چھوٹے سے بھی ڈرتے ہیں۔ کبھی کسی نے چھوٹے انگارے کو اس لیے نہیں اٹھایا کہ یہ چھوٹا ہے، ڈرتے ہیں۔ جیسے چھوٹے بچھو سے ڈرتے ہیں، چھوٹے انگارے سے ڈرتے ہیں، چھوٹے سانپ سے ڈرتے ہیں۔ ایسے ہی مومن چھوٹے گناہوں سے بھی ڈرتا ہے کہ وہ نقصان دہ ہے۔ سانپ، بچھو اور انگارے کا نقصان تو کم ہے لیکن گناہ کا وبال اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس کا نقصان زیادہ ہے۔ عالم کسے کہتے ہیں؟ کہ جو عنوان دیدیں اس پہ معلومات رکھتا ہو، جو موضوع چھیڑ دیں وہ خوب اچھا بیان کر لیتا ہو؟ نہیں عالم اسے نہیں کہتے۔ عالم کہتے ہیں اس شخص کو جس پر گناہوں کے نقصانات اچھی طرح واضح ہو جاتے ہیں۔ جس شخص پر گناہوں کے نقصانات جتنا زیادہ واضح ہیں، کھلے ہوئے ہیں وہ شخص اتنا بڑا عالم ہے۔ اس لیے جب گناہوں کے نقصانات زیادہ کھلیں گے تو وہ اتنا زیادہ پرہیز کرے گا۔ اتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرے گا۔ اسی کا دوسرا نام خشیت ہے۔

خشیت سے تقویٰ کا حصول

ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

علماء ہی ہیں کہ جو اللہ سے ڈرتے ہیں

یہ خشیت ہوتی ہے۔ ہم نے ڈاکٹروں کو دیکھا کہ ان کو چربی والے کھانے دو، پراٹھے دو، تو باوجود اس کے ان کو بیماری نہیں ہوتی، پرہیز کرتے ہیں۔ نہیں کھاتے کوئی پوچھے کہ کیوں نہیں کھاتے؟ کہتے ہیں جی ہمیں ان کے نقصانات کا پتہ ہے۔ اور جس بندے کو اس کے نقصانات کا نہیں پتہ ہوتا کہ اس سے دل کی شریانیں بند ہوتی ہے۔ وہ

صبح دوپہر شام پراٹھے کھاتا ہے، وہ دبا کے چپلی کباب کھاتا ہے۔ بھلے دل کی شریانیں بند ہوتی پھریں، تو جس کو جتنا پتہ ہے جسم کے بارے میں کہ یہ چیز نقصان دہ ہے وہ اتنا زیادہ بچتا ہے۔ ڈاکٹر لوگوں کو دیکھا کہ یہ باہر کے علاقے میں جاتے ہیں تو نلکے کا پانی بھی نہیں پیتے۔ کہتے ہیں جی اس میں بیماریوں کے جراثیم ہوتے ہیں۔ اس سے معدہ خراب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم تو بوتل کا صاف پانی پییں گے۔ پرہیز کرتے ہیں۔ تو جس کو جتنا زیادہ کسی چیز کے نقصان کا پتہ ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ اس سے ڈرتا ہے۔ ڈاکٹر لوگ جب ہسپتال میں مریضوں کے پاس جاتے ہیں دستانے بھی پہنتے ہیں، ناک پہ ماسک لگاتے ہیں۔ ان کو پتہ ہوتا ہے کہ بیمار کے قریب رہ کر بیماری دوسرے کو لگ سکتی ہے۔ احتیاط کرتے ہیں۔ تو بتانے کا مقصد کیا؟ جس کو جتنا زیادہ کسی چیز کے نقصانات کا پتہ ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ اس سے ڈرتا ہے۔

بجلی کی تار جا رہی ہو کھمبے سے تو کسی انجینئر سے کہیں، الیکٹریکل والے سے کہیں ذرا اس کو ہاتھ لگاؤ۔ کہہ دے گا کیا میں بیوقوف ہوں۔ کہیں ایک دفعہ لگاؤ، کہے گا جناب! بجلی ایک دفعہ بھی معاف نہیں کرتی پہلی دفعہ ہی پکڑ لیتی ہے۔ ان کو پتہ ہوتا ہے اس کے اندر کرنٹ ہے۔ جب کہ عام آدمی دھوکہ کھا جائے گا۔ اس کو کچھ نظر جو نہیں آتا۔ اسی طرح عالم سمجھتا ہے کہ گناہوں میں ایسی نحوست ہے ان کے مرتکب ہونے سے انسان اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔ اس لیے وہ گناہوں کے قریب بھی نہیں جاتا۔ ڈرتا رہتا ہے۔

ڈر ہوتا ہے دو طرح کا ایک بچوں والا ڈر، کہ بچے نے کوئی شیشے کا برتن توڑ دیا۔ اب ماں سے ڈر رہا ہے کہ امی کو پتہ چلے گا تو مجھے تھپڑ لگیں گے، یہ بھی ایک ڈر ہے۔ اور ایک ڈر یہ ہے کہ جو اس کی ماں کو اپنے میاں سے ہے۔ اس کی ماں یہ سمجھتی ہے کہ میرا میاں انتہائی شفیق، با اخلاق، نیک، متقی، پرہیزگار انسان ہے۔ اس نے مجھے ہر سہولت

دی ہوئی ہے ۔ میں عزتوں بھری زندگی گزار رہی ہوں ،صاحبِ اولاد ہوں ۔اب میرے میاں نے کہا ہوا ہے کہ فلاں رشتہ دار کو تم نے گھر میں نہیں آنے دینا۔اب اگر وہ رشتہ دار آ کے دروازہ کھٹکھٹائے تو وہ بیوی کبھی دروازہ کھولے گی ؟ کبھی نہیں کھولے گی ۔اس کو پتہ ہے کہ میرے میاں کو پتہ چل گیا تو میری چھٹی ہو جائے گی ۔میں نعمتوں سے محروم ہو جاؤں گی ۔ یہ جو ڈر ہے نا کسی کے ناراض ہونے کا ،اہل علم کے اندر دلوں میں یہ ہوتا ہے ۔کہ اگر ہم نے شیطان کا کہا مان لیا، نفس کا کہا مان لیا اور گناہوں کے مرتکب ہو گئے تو کہیں رب کریم ہم سے اپنی رحمت کی نظر نہ ہٹا دیں ۔کہیں وہ ہمیں اپنے در سے دور نہ کر دیں ۔وہ پروردگار خفا نہ ہو جائے ۔وہ اس کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں ۔گناہوں سے بچے بغیر کسی بندے کو ولایت کا مقام نہیں مل سکتا ۔جو کبائر کا مرتکب ہوتا ہے اور چاہے کہ ولایت کے دروازے بھی میرے اوپر کھل جائیں ۔این خیال است و محال است و جنوں ۔

واصل باللہ کیسے ہوں؟

اس کی مثال سن لیجئے ایک مرتبہ مسکین پور شریف جانے کا موقع ملا۔ایک دیوار تھی چھوٹی سی، طلباء اس کو ذرا اونچا کرنا چاہتے تھے ۔تو کہیں سے سیمنٹ کی بوری لائے اینٹیں لے کے آئے اور انہوں نے خود ہی سیمنٹ لگا کر اس کے اوپر دیوار اونچی بنا دی۔ مگر کچھ عرصے کے بعد اوپر کی جو بنی ہوئی دیوار تھی وہ ساری کی ساری گر گئی وہ اینٹیں آپس میں مضبوط جڑی ہوئی تھیں مگر پہلے والی دیوار کے ساتھ اس کو جوڑ ٹھیک نہ لگ سکا۔ طلبہ پھر پریشان ہوئے پھر انہوں نے دوبارہ کچھ عرصے کے بعد پیسے جمع کیے پھر سیمنٹ کی بوری لائے پھر کوشش کی ۔جو پہلے ہوا تھا وہ پھر ہوا۔ یہ عاجز وہاں گیا ہوا تھا تو ان میں سے کچھ طلباء نے کہا کہ سنا ہے آپ انجینئر ہیں آپ بتا دیجئے کہ ہم کہاں سے غلطی

کر رہے ہیں ۔اس عاجز نے ان کو عرض کیا آپ مصالحہ بھی ٹھیک بنا رہے ہیں پانی بھی پورا ڈال رہے ہیں اینٹوں کو بھی گیلا کر رہے ہیں لیکن ایک کوتاہی کر رہے ہیں اور وہ کوتاہی یہ ہے کہ پرانی دیوار کے اوپر مٹی جمی ہوئی ہے، آپ لوگوں نے موٹی موٹی مٹی اتار دی ہے لیکن اس کو صاف اچھی طرح نہیں کیا۔آپ لوہے کا برش لے کر وہ جو پرانی دیوار کی اینٹیں ہیں ان کو اچھی طرح رگڑیں ۔حتیٰ کہ میل کچیل مٹی کا بالکل ختم ہو جائے ۔چنانچہ طلباء نے ایسے ہی کیا ۔جب اچھی طرح رگڑ رگڑ کے انہوں نے دیوار کی سطح کو بالکل صاف کیا ۔اب سیمنٹ لگایا دیوار بنائی ۔وہ دیوار بالکل صحیح دیوار کی طرح مضبوط اور یک جان بن گئی طلباء بڑے حیران ہوئے ۔اس عاجز نے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان طلباء کو سمجھایا کہ دیکھو! یہاں سے معرفت کی ایک بات سمجھ میں آتی ہے ۔جب تک یہ اینٹ میلی رہی نئی اینٹ کے ساتھ اس کا جوڑ پکا نہ ہو سکا یہی حالت ہمارے قلب کی ہے۔ جب تک کے اوپر گناہوں کی میل مٹی رہے گی اس کا تعلق اللہ رب العزت کی پاک ذات کے ساتھ نہیں ہو سکتا جو مرضی کوشش کر لیں ۔اللہ تعالیٰ پاک ہے ۔وہاں میل نہیں چلتی ۔ہمیں بھی دلوں کو میل کچیل سے پاک کرنا ہوگا۔اگر ہم چاہتے ہیں ہمارے دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑ جائیں اس لیے یہ ذکر اللہ، یہ میل دھو دیتا ہے۔

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ صِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ .

ہر چیز کے لیے ایک پالش ہوتی ہے اور دلوں کی پالش اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔

خوب ذکر کر کے اپنے دلوں سے گناہوں کی میل دھو دیجئے ۔تب جا کر واصل باللہ ہونگے ۔تب اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوگی۔

گناہوں سے پرہیز ضروری ہے؟

سالک کو سب سے زیادہ اس بات پہ کوشش کرنی چاہیے کہ وہ گناہوں کا مرتکب نہ

ہو۔اب ایک عام آدمی کو نزلہ زکام ہے۔وہ دوائی بھی استعمال کرتا ہے ساتھ اچار بھی کھا رہا ہے اور ٹھنڈا شربت بھی پی رہا ہے تو اس کی بیماری تو نہیں جائیگی۔کئی دنوں بعد وہ کہے گا کہ ڈاکٹر صاحب دوائی بھی کھا رہا ہوں فائدہ ہی نہیں ہوتا۔ڈاکٹر صاحب کہیں گے کہ **الوقاية خير من العلاج** ۔پرہیز علاج سے بہتر ہے۔آپ پہلے کھٹی چیزوں سے بچیں۔ٹھنڈی چیزوں سے بچیں تب نزلہ زکام سے جان چھوٹے گی۔بالکل اسی طرح یہ گناہ ان کھٹی نقصان دہ چیزوں کی مانند ہیں۔جب تک ہم گناہوں سے نہیں بچیں گے تب تک اللہ تعالیٰ کے وصل کی لذت نہیں پائیں گے۔آج دلوں کے تالے کیوں لگے ہوتے ہیں؟ دلوں میں محبت الٰہی کی کیفیات کیوں نہیں آتیں؟ اس لئے کہ گناہوں کی جان نہیں چھوڑتے۔

متقی کیسے بنیں؟

وہ طلباء جنہوں نے گھر چھوڑا، دیس چھوڑا، وطن چھوڑا، عزیز و اقارب چھوڑے، سارا دن قرآن مجید، حدیث مبارکہ پڑھنے میں مصروف ہوتے ہیں۔اگر ان کے دل میں معرفت کی لذت نہیں تو پھر کب آئے گی؟ اور اگر نہیں آتی تو کیوں نہیں آتی؟ جواب وہی ہے کہ یہ سارا دن اپنے دل میں قرآن و حدیث کا نور اکٹھا کرتے ہیں۔اب عصر کے وقت ذرا بازاروں میں نکل جاتے ہیں۔سارا جھاڑو پھیر لیتے ہیں۔جو سارا دن نور اکٹھا ہوا تھا اس پر نظر پڑی، اس پر نظر پڑی، دو چار ہنسی مذاق کی الٹی سیدھی باتیں کر دیں سب کچھ دے دلا کے خالی واپس آ گئے۔جس مشک کے نیچے سوراخ ہوا اس کو ٹونٹی بھی لگا دو وہ نہیں بھرے گی۔اس لیے کہ جو کچھ آ رہا ہے وہ سارا کا سارا ضائع جائے گا۔عام بندے میں اور اولیاء اللہ میں یہ بنیادی فرق ہوتا ہے۔عزیز طلباء! ذرا ان باتوں کو دل کے کانوں سے سنیے گا فائدہ دیں گی۔یہ سادی ہیں مگر ثوابی ہیں، فائدہ دیں گی۔کیا فرق

ہوتا ہے؟ عام بندہ بھی کئی مرتبہ ایسے اعمال کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ دل کو دھو دیتے ہیں۔ایسی توبہ کر لیتا ہے کئی مرتبہ کہ جب محفل سے اٹھتا ہے اس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دیتے ہیں مگر ہوتا کیا ہے؟ ہوتا یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد پھر گناہ کا مرتکب ہو گیا، جو کچھ آیا تھا ضائع کر بیٹھے۔وہ حفاظت نہیں کرتے اس نور اور رحمت کی جو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ڈالتے ہیں۔جبکہ اولیاء اللہ اپنے قلب کی حفاظت کرتے ہیں۔آنے والے نور اور رحمت کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔وہ محافظ بن جاتے ہیں وہ ڈرتے ہیں، بچتے ہیں گناہوں کے موقع سے بھی۔اور گناہ کے موقعوں سے ڈرنا اور بچنا اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ **الحلال بين و الحرام بين وبينهما متشبهات** ۔حلال بھی واضح ہے حرام بھی واضح درمیان میں شبہ والی کچھ باتیں ہیں۔جو ان شبہ والی باتوں کو بھی چھوڑ بیٹھتا ہے وہ متقی اور پرہیزگار بن جاتا ہے۔

دین اسلام کا حسن:

تو متقی انسان گناہ سے بچتا تو ایک بات، گناہ کے موقع سے بھی بچتا ہے اور یہی دین اسلام کا حسن ہے۔پہلی شریعتوں نے گناہوں سے بچنے کا حکم دیا اور دین اسلام چونکہ مکمل دین تھا اس نے گناہ کی مبادیات، شروعات سے بھی بچنے کا حکم دے دیا۔مثلاً شرک سے منع کرنا تھا تو تصویر کو بھی حرام قرار دے دیا۔اس لیے کہ تصویر بنے گی تو یہ بڑھتے بڑھتے بالآخر بتوں تک پہنچے گی اور بت پرستی شروع ہو جائے گی تو روکنا شرک کو تھا دروازہ شروع سے بند کر دیا کہ تم تصویر بھی بغیر کسی وجہ کے مت بناؤ۔اگر کسی زندہ کی تصویر بناؤ گے تو قیامت کے دن تمہیں اس پر سزا ہوگی شروع میں ہی روک دیا۔ایسا نہیں کر سکتے۔زنا سے روکنا تھا، تو حکم فرما دیا

وَ لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا. زنا کے قریب بھی نہ جاؤ.

علماء نے لکھا کہ غیر محرم کی طرف ارادے سے دیکھنا، اس سے میٹھی نرم باتیں کرنا یہ ساری کی ساری اس کی مبادیات ہیں۔ لہٰذا شریعت نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ کہہ دیا:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ.

عورتوں کو کہا کہ بات کرتے ہوئے اپنی آواز میں نرمی پیدا مت کرو۔

ایسی بات کرو کہ سننے والا اگر دو کرنا چاہتا ہے تو ایک کر کے بند کر دے۔ نپے تلے انداز میں بات کرو۔ موقع ہی نہ دو کسی کو۔ اس لئے کہ بات چیت ہی بات بڑھنے کا سبب بن جاتی ہے۔ طلباء کہتے ہیں نا، ہم اپنی کزن سے بات کر لیتے ہیں ......بس بات ہی کرتے ہیں۔ بھئی بات ہی سے ہی تو بات بڑھتی ہے اس سے بھی پرہیز ضروری ہے۔

ارنی کس نے کہا؟

آپ دیکھئے انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے مگر ان میں سے کسی نے دنیا میں یہ نہیں کہا اے اللہ! ہم آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ سوائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے۔ وہ ایک ایسے پیغمبر ہیں جنہوں نے دنیا میں کہا اللہ تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ رب ارنی انظر الیك۔ اب سوال اٹھتا ہے ایک طالب علم کے ذہن میں ایک نبی کی معرفت اتنی ہوتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ پروردگار کو دنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ مگر محبت کا جذبہ ایسا ...... جوش ایسا...... کہ کوہ طور پر پہنچے تو کہہ دیا رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْكَ۔ دیکھنا چاہتا ہوں۔ بھئی کیوں کہا؟ مفسرین نے اس کا جواب لکھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ پورے پیغمبروں میں یہ موسیٰ علیہ السلام ہی کلیم اللہ تھے۔ کوہ طور پر جاتے تھے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کرتے تھے۔ بار بار ہم کلامی کرنے کی وجہ سے ان کے دل میں خیال آیا کہ محبوب حقیقی کو دیکھنا بھی چاہتا ہوں۔ تو یہاں سے پتہ چلا کہ جہاں بار بار بات ہوگی پھر اگلا قدم کیا ہوگا؟

؎ نہ تو خدا ہے نہ میرا عشق فرشتوں جیسا
دونوں انساں ہیں تو کیوں اتنے حجابوں میں ملیں

اس لیے شریعت نے پہلے ہی قدم پر اس راستے کو بند کر دیا۔ وَ لَاتَقْرَبُوا الزِّنَا۔ قریب ہی نہ جاؤ۔ اب یہاں سے شریعت کا مزاج سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں مومن بندہ گناہ کے قریب بھی نہ جائے۔ اسی کو تقوٰی کہتے ہیں۔ تقوٰی کی لمبی چوڑی تعریفیں کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہر وہ چیز جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کر دے اس کو چھوڑ دینے کا نام تقویٰ ہے۔ ہر وہ چیز جس سے بھی دل میں خطرہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہوں، میری کیفیت خراب ہوتی ہے، میرا گناہ کی طرف خیال جاتا ہے، ہر وہ کام جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کر سکتا ہے اس کام کو چھوڑ دینا۔ یہ تقویٰ کہلاتا ہے۔

تو مومن گناہ کے موقع سے بھی بچتا ہے۔ دعا مانگتا ہے اے اللہ!!

غمِ حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں میرے مولا
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

مومن گناہ کے موقع سے بھی بچتا ہے۔ اسی کو تقویٰ کہتے ہیں۔ جب تک یہ احتیاط مزاج طالب علم کا نہیں بنے گا اس کو معرفت کا نور نصیب نہیں ہوگا۔ لفظ پڑھیں گے، صرفی نحوی قاعدے یاد ہو جائیں گے مگر جو معرفت ہے مقصود اس علم کا، وہ نصیب نہیں ہوگا۔

؎ دل سوز سے خالی ہے نگاہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

طبیعت کے اندر سے وہ نعمت نصیب نہیں ہوتی جو اہل اللہ کو حاصل ہوتی ہے۔ تو

گناہوں سے بچنا انتہائی ضروری۔

عابد اور متقی میں بہتر کون؟

دو بندے ہیں ایک لمبی عبادتیں کرتا ہے، رات کی دن کی تسبیحات، مگر شریعت میں احتیاط ہی نہیں کرتا، زبان کی احتیاط نہیں کرتا، آنکھ کی احتیاط نہیں کرتا، کان کی احتیاط نہیں کرتا۔ دوسرا بندہ فقط فرائض و واجبات پر عمل کرتا ہے مگر گناہوں سے بچتا ہے۔ کوئی بھی گناہ علم اور ارادے سے نہیں کرتا۔ جب بھی کسی مفتی سے پوچھیں گے تو مفتی کہے گا ان دونوں بندوں میں گناہوں سے بچنے والے بندے کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ تو گناہ سے بچنا زیادہ ضروری ہے لمبی عبادتیں بعد کی بات ہے۔ تو سالک کو ہر وقت دل میں یہ غم ہو، یہ دل میں فکر ہو کہ میں نے اپنے وجود سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرنی۔

اللہ سے مدد مانگیں:

جب دل میں یہ غم ہو، یہ سوچ ہو اور اس پر وہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں تو پھر اللہ رب العزت اس پر رحمت فرما دیتے ہیں۔ اب بتائیں ہم نے کبھی ایسی رات گزاری کہ رو رو کے اللہ سے مدد مانگ رہے ہوں۔ اے مالک میں گناہوں سے نہیں بچ سکتا آپ چاہیں تو مجھے بچا سکتے ہیں۔ میری حفاظت فرما لیجئے۔

وَ مَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ .

اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا بے شک نفس تو برائی سکھاتا ہے، مگر یہ کہ جس پر میرا رب مہربانی کرے۔ (یوسف: ۵۳)

دیکھا گناہوں سے انسان نہیں بچ سکتا اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۔ جب تک میرے رب کا اس کے اوپر رحم نہیں ہو جاتا۔ رب کریم کا رحم کب ہوتا ہے کہ جب بندہ خود بچنے کی کوشش کرے اور معاملہ اس کے سر سے اوپر ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ اس کو بچا لیتے ہیں۔

دیکھئے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت ملی۔ جیسے ہی کہا کسی نے کہ بھئی میں گناہ کیلئے آپ کو یہاں لے کے پہنچی ہوں تو قَالَ مَعَاذَاللّٰہِ ۔ فوراً پہلی بات، یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ کی پناہ کے بغیر بندہ گناہوں سے نہیں بچ سکتا۔ تو دعائیں مانگنی چاہیے کہ یا اللہ! ہم اگر نالائق لوگ نفسانی خواہشات کے غالب آنے پر گناہ کرنے بھی لگیں۔ اللہ! ہمارے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیجئے گا، ہمارے ہاتھوں کو پیچھے ہٹا دیجئے گا، ہمیں گناہ سے بچا لیجئے گا۔ تو دعائیں مانگنے کی ضرورت ہے۔ گناہوں سے بچنا انتہائی ضروری، اس کے بغیر معرفت کا نور حاصل نہیں ہوتا۔

اکابرین کا اور آج کے طلباء کا موازنہ:

جو کتابیں آج کے طالب علم پڑھتے ہیں ہو بہو یہی کتابیں ہمارے اکابرین نے پڑھیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی صحاح ستہ پڑھیں۔ کوئی اس وقت کی صحاح ستہ جدا نہیں تھی۔ اسی قرآن پاک کی تفسیر پڑھی، ان کے پاس کوئی علیحدہ انوکھا قرآن نہیں تھا۔ جو آج دورے کا طالب علم حدیث اور تفسیر پڑھ رہا ہوتا ہے۔ ان حضرات نے بھی یہی کچھ پڑھا۔ پھر ہر طالب علم قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کیوں نہیں بنتا؟ جب ایک جیسی کتابیں ہیں تو ہر طالب علم انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کیوں نہیں بنتا؟ ہر طالب علم محمود الحسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کیوں نہیں بنتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابیں تو انہوں نے یہ پڑھیں مگر انہوں نے کتابوں کے ساتھ گناہوں سے بچ کر تقویٰ کی زندگی گزار کر اس علم کا نور سینے میں لے لیا تھا۔ ان کے سینے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے خزینے بن گئے۔ اس لئے درجے پا گئے اور آج دورہ حدیث میں پہنچنے کے بعد، پھر بھی طالب علم کی کیفیات صحیح نہیں ہوتیں۔ اگر یہ عوام الناس کا مجمع ہوتا تو یہ عاجز شاید کسی اور Topic (موضوع) پہ گفتگو کرتا۔ ارادتاً اس پہ گفتگو کر رہے ہیں کہ یہ Topic آج

طلباء کے لئے انتہائی اہم ہے۔

بے ادبی کا یہ حال ہو چکا ہے کہ آپ حیران ہوں گے کہ اس عاجز کے پاس دورہ حدیث کے طالب علم کو اس کا والد لے کر آیا حضرت میرا بچہ کلاس میں فرسٹ آتا ہے مگر دعا کرو کہ یہ پانچ نمازیں پابندی سے پڑھے۔ میرا بچہ کلاس میں فرسٹ آتا ہے دورہ حدیث کا طالب علم ہے حضرت دعا کرو کہ یہ پانچ نمازیں پابندی سے پڑھے۔ پابندی سے نماز نہیں پڑھتا یہ حالت ہوگئی۔ ایک نوجوان سلسلے میں داخل ہوئے کہتے ہیں کہ تین سال متواتر ہو رہے ہیں پاکستان کے وفاق میں فرسٹ آیا۔ تین سال پورے پاکستان کے وفاق کے امتحان میں فرسٹ آیا۔ کبیرہ سے نہ بچ سکا۔ بیعت ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کبیرہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ جو اللہ والوں کے ساتھ تعلق ہے اس کو مذاق سمجھتے ہیں؟ یہ نسبت کا ایک نور ہوتا ہے جو سینوں میں منتقل ہوتا ہے۔ بڑوں کی دعائیں ہوتی ہیں انسان کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ گناہوں کی دلدل سے انسان نکل جاتا ہے۔

؎ دور بیٹھا کوئی تو دعائیں دیتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

یہ کسی کی دعائیں ہوتی ہیں۔ اہل نظر کی نظر ہوتی ہے۔ اہل ہمم کی ہمتیں ہوتی ہیں۔ وہ تہجد کے اندر گڑگڑا رہے ہوتے ہیں۔ وہ ان کیلئے دعائیں مانگ رہے ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کہاں کہاں کس کس کی ان دعاؤں کے صدقے گناہوں سے حفاظت فرما رہے ہوتے ہیں۔ ہم گناہوں کے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں، ہم ترکیبیں ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں، موقع تلاش کریں گے کوئی موقع ملے تو ہم گناہ کریں۔ ہماری کوشش کے باوجود ہمیں گناہوں کے موقعے نہیں ملتے، ہمارا کمال نہیں ہوتا۔ وہ پیچھے معلوم نہیں کن اللہ والوں کی دعائیں ہوتیں ہیں۔ تو گناہ سے بچنا انتہائی ضروری۔ اس کے بغیر محبت الٰہی کی چاشنی نصیب نہیں ہوتی۔

گناہ کا وبال لازمی:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ.

جس نے بھی برائی کی اس کو اس کی سزا ملے گی۔

یہاں اصول سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس نے بھی گناہ کیا۔ اس گناہ کا وبال اس پر آئے گا۔ اس گناہ کی سزا اس کو ملے گی تو سزا ملتی ہے۔ مثلاً طالب علم ہے حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ حضرت مجھے باتیں یاد نہیں رہتیں۔ مطالعہ کرتا ہوں بھول جاتا ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد سے یہی سوال کیا تھا۔ انہوں نے اس کو شعر میں لکھ دیا۔

شَكَوْتُ اِلٰی وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ
فَاَوْصٰنِيْ اِلٰی تَرْكِ الْمَعَاصِيْ
فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهِيْ
وَ نُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰی لِعَاصِيْ

[میں نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ (اپنے استاد) سے حافظہ کی کمی کی شکایت کی۔ انہوں نے وصیت کی اے بچے (طالب علم) گناہوں سے بچ جاؤ۔ اس لئے کہ علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور کسی گناہ گار کو نہیں عطا کیا جاتا]

تو گناہوں سے بچنا، اس سے انسان کی قوت حافظہ اچھی ہوتی ہے۔ جو طلباء پوچھتے ہیں حضرت ورد وظیفہ بتاؤ قوت حافظہ اچھی ہونے کا، تو سب سے بڑا وظیفہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچ جایئے۔ حضرت مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والد) فرمایا کرتے تھے اگر طالب علم کو دوستی لگانے کی مرض ہے تو

کتنا ذہین کیوں نہ ہو کبھی نہ کبھی اس کی کشتی بیچ دریا میں ڈوب جائے گی۔ اور طالب علم کتنا ہی غبی اور کند ذہن کیوں نہ ہو۔ اگر اس کو دوستی لگانے کا مرض نہیں تو کبھی نہ کبھی اس کی کشتی کنارے ضرور لگ جائے گی۔ تو ہم علم حاصل کرنے کیلئے گھروں سے نکلے، اپنے آپ کو ہم ہر گناہ سے بچائیں۔ اس لئے کہ جیسے معتکف کو ہر وقت ثواب مل رہا ہوتا ہے طالب علم کو بھی مدرسہ میں رہتے ہوئے ہر وقت ثواب مل رہا ہوتا ہے۔ کھانے پر بھی ثواب...... لیٹنے پر بھی ثواب...... پڑھنے پر بھی ثواب...... ہر عمل پر طالب علم کو ثواب مل رہا ہوتا ہے۔ یہ اللہ کے راستے میں ہوتا ہے۔ طالب علم اللہ کے راستے میں ہوتا ہے۔ تو اس لئے طالب علم کو چاہیے کہ وہ گناہوں کے موقعوں سے بچیں، اپنے آپ کو بچائیں گناہوں سے ورنہ گناہوں کا وبال ضرور ہوگا۔ اس وبال میں سے ایک قوت حافظہ کو چھین لیا جائے گا۔ گناہوں کے بدلے کسی نہ کسی نعمت سے بندہ محروم ہوتا ہے۔ مثلاً قوت حافظہ کی نعمت سے محروم، اور زیادہ گناہ کیے تو جسمانی قوت سے محروم۔ حضرت کمزور ہوں اٹھتا ہوں آنکھوں کے سامنے اندھیرا آتا ہے۔ ہاضمہ خراب ہوگیا وضو قائم نہیں رہتا۔ کتنی نعمتوں سے بندہ محروم ہوتا ہے اور اگر گناہ کا کسی اور کو پتہ چل گیا تو عزت کی بجائے الٹا ذلت ملی۔ اور اگر کامیاب طریقے سے چھپ کر بھی گناہ کر لیا۔ تو بھی گناہوں کے اثرات سے نہیں بچ سکتا۔ گناہوں کا اثر اسے پہنچ کے رہے گا۔

گناہوں کا وبال اہل وعیال پر:

ایک جیولر تھا (سُنار)۔ اس کی بیوی نہایت خوبصورت، خوب سیرت تھی۔ ایک دن دوپہر کے وقت وہ کھانا کھانے گھر آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ بیوی زار وقطار رو رہی ہے۔ پوچھا اللہ کی بندی کیا ہوا؟ کہنے لگی یہ چھوٹا بچہ جو ہم نے پالا تھا۔ یتیم تھا۔ میں نے اس کو اپنی گود میں لیا اور اس کو پالا۔ اب یہ سترہ اٹھارہ سال کی عمر کا ہوگیا۔ میں نے اسے

سبزی لینے کے لیے بھیجا تھا۔ یہ آکر سبزی دینے لگا تو اس نے میرے ہاتھ کو پکڑ کے دبایا۔ مجھے اس کی نیت میں جو ہے فتور نظر آیا مجھے اتنا صدمہ پہنچا کہ میں اس کے لیے ماں کی سی حیثیت رکھتی ہوں اور اس کو میرے متعلق یہ دھیان ہے۔ اپنے صدمے پر میں بیٹھی رو رہی ہوں کہ دنیا سے وفا اٹھ گئی ہے۔ جسے بچوں کی طرح پالا تھا آج اس کی نیت میرے بارے میں ایسی خراب ہے۔ یہ بات سنی تو سنار کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ بیوی کہنے لگی کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ وہ کہنے لگا کہ یہ اس کی کوتاہی نہیں یہ میری کوتاہی ہے ...... اس کی کوتاہی نہیں میری کوتاہی ہے۔ اس نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگا وہ ایسے کہ آج میرے پاس عورتیں آئیں چوڑیاں خریدنے کے لیے۔ ایک عورت چوڑی پہننا چاہتی تھی مگر اس سے پہنی نہیں جا رہی تھی۔ مجھے اس نے کہا کہ پہنا دے تو میں نے اس کو چوڑیاں پہنائیں۔ مجھے اس کے ہاتھ اچھے لگے تو پہنانے کے دوران میں نے اس کو شہوت کے ساتھ دبایا اس کا نتیجہ کیا نکلا کہ میری بیوی کا ہاتھ کسی اور نے شہوت کے ساتھ دبایا۔

اس کی تصدیق حدیث پاک سے ہوتی ہے نبی ﷺ نے فرمایا، اگر تم دوسروں کی عورتوں سے پرہیز گاری کا معاملہ کرو گے تو تمہاری اپنی عورتوں سے پرہیز گاری کا معاملہ کیا جائے گا۔ اور اگر اپنی نظر ادھر ادھر کرتے پھریں گے تو کیا ہمارے بچوں پر، بہنوں پر، بیٹیوں پر کوئی نظر نہیں اٹھائے گا؟ کیا سمجھتے ہیں خاوند؟ ہم جس پر چاہے نظر پھینکتیں رہیں الٹی سیدھی؟ ہماری بیوی بچی رہے گی۔

وَ لَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّءُ اِلَّا بِاَھْلِه. (فاطر:۴۳)

(اور بری تدبیر، تدبیر کرنے والے پر ہی لوٹ کر پڑتی ہے)

یہ قرآنی اصول ہے اس لئے نگاہ کو پاک کرنے کی ضرورت ہے۔ دل سے طمع نکالنے کی ضرورت ہے۔ گناہوں کی طمع ہی بندہ دل سے نکال دے، اس پر محنت کرے۔ آنکھ ہی نہ اٹھائے کسی کی طرف جہاں برائی کا خطرہ ہو۔ یہ دستور ہے۔ اس لیے ہمارے

اکابرین جتنے بھی تھے سب کے سب اپنی نگاہوں کا بہت پرہیز کیا کرتے تھے۔

تو گناہوں سے بچنا، اس پر محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ ہم خود بخود بچ جائیں گے.....نہیں، ہم نہیں بچ سکتے جب تک اس کے لیے محنت نہیں کریں گے، فکرمند نہیں رہیں گے۔ زہر اگر کوئی ایک قطرہ بھی ملا دے اور کہہ دے کہ یہ پی لو۔ تو کوئی پینے کے لیے تیار ہوگا؟ نہیں ایک قطرہ زہر سے بچتے ہیں۔ اسی طرح مومن ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچتا ہے، رسک نہیں لیتا۔ جیسے عام بندہ رسک نہیں لیتا کہ زہر نہ ہو کہیں میں نہیں کھاتا۔ ایسے ہی مومن رسک نہیں لیتا کہ میں اس طرف قدم بھی نہیں اٹھاتا۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان مجھے فتنے میں ڈال دے اس لیے رب کریم کا جو ارشاد ہے وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ۔ چھوڑ دو وہ گناہ جو ظاہر میں کرتے ہو یا چھپے ہوئے۔

سچی توبہ کرلیں:

آج کی اس محفل میں ہم اپنے سب گناہوں سے سچی توبہ کرلیں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو گناہ کررہے ہیں اور ہمیں تو کچھ نہیں ہوتا۔ سنیے اور دل کے کانوں سے سنئے!! بنی اسرائیل کا ایک عابد تھا، عالم تھا، دعا مانگ رہا تھا تو دعا مانگتے ہوئے اس نے کہا، اے اللہ! میں نے تو آپ کی نافرمانی کی (کوئی گناہ کیا ہوگا، ملوث ہوگا کسی گناہ میں) اے اللہ میں نے تو گناہ کیا مگر آپ نے اپنی نعمتیں مجھ پر برقرار رکھیں۔ تیرا کتنا بڑا احسان ہے۔ یہ دعا مانگی، اے اللہ! میں نے تو یہ گناہ کیے آپ نے اپنی نعمتیں برقرار رکھیں یہ آپ کا کتنا بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ تمہاری آنکھوں پر پردے پڑے ہیں تمہیں ان گناہوں کی سزا نظر نہیں آرہی ہے جو تمہیں مل رہی ہے۔ تو جب دل میں یہ بات آئی تو وہ بڑا پریشان ہوا کہ مجھے ان گناہوں کی سزا کیسے مل رہی ہے۔ فوراً دعا مانگی کہ اے اللہ تعالیٰ واضح فرما دیجیے کہ مجھے گناہوں کی سزا کیسے مل رہی ہے۔ اللہ رب

العزت نے دل میں بات ڈالی کہ تم محسوس نہیں کرتے جب سے تم نے یہ گناہ شروع کیا ہم نے تمہیں اپنی مناجات کی لذت سے محروم کردیا۔ مناجات کی لذت ہم نے چھین لی۔ تمہیں احساس ہی نہیں۔ بندے کو پتہ ہی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ مناجات کی لذت چھین لیتے ہیں۔ تہجد کی پابندی چھین لیتے ہیں۔ تکبیر اولیٰ کی پابندی چھین لیتے ہیں۔ اللہ رب العزت علوم و معارف جو سمجھ میں آنے تھے ان کی توفیق بندے سے چھین لیتے ہیں اور بندے کو پتہ ہی نہیں ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ میرے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سب برقرار ہیں۔ نہیں ...... پتہ نہیں کس کس انداز سے نعمتیں چھن رہی ہوتی ہیں۔ ہم اندھے ہیں، ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا تو یاد رکھنا!! اگر ہم گناہ کریں گے تو گناہوں کے اثرات سے نہیں بچ سکیں گے...... گناہ کریں گے تو گناہوں کے اثرات سے نہیں بچ سکیں گے۔ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً یُّجْزَ بِهٖ۔ کوئی استثنیٰ نہیں ہے کہ اس میں طالب علموں کو چھوڑ دیا جائے گا، علماء کو چھوڑ دیا جائے گا، صوفیوں کو چھوڑ دیا جائے گا۔ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً یُّجْزَ بِهٖ۔ جو کوئی بھی گناہ کرے گا اس کو اس کی سزا ملے گی۔ دراصل ہمیں سزا نظر نہیں آرہی ہوتی کہ ہم کن کن نعمتوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ سنتیں چھوٹ رہی ہوتی ہیں ہم سے اور ہمیں احساس نہیں ہوتا۔ مسنون دعائیں اپنی اپنی اوقات میں ہم سے چھوٹ رہی ہوتی ہیں ہمیں احساس نہیں ہوتا۔ گناہوں کا گھناؤنا پن جو دل میں ہوتا ہے وہ دل میں سے کم ہو جاتا ہے تو انسان گناہ کو ہلکا سمجھتا ہے اس کو وہ سزا ہی نہیں سمجھتا۔ مومن گناہ کو سمجھتا ہے جیسے پہاڑ ہے آگرے گا اور فاسق سمجھتا ہے مکھی بیٹھی تھی اڑا دی۔ اب اگر طالب علم کی بھی حالت یہی ہو کہ گناہ یوں نظر آئے کہ مکھی بیٹھی تھی اڑا دی تو کتنی نعمت سے محروم ہو گیا۔ اس کو محرومی نہیں سمجھتے۔ برف ہو اور ٹھنڈی نہ لگے، آگ ہو اور گرم نہ لگے، گناہ ہو اور اس کے بد اثرات نہ ہوں، یہ کیسے ممکن ہے؟ مجاہد بن عوج فرماتے تھے کہ

جب کبھی اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے میں مجھ سے کوتاہی سرزد ہوئی، میں نے اس کا اثر یا اپنی بیوی میں دیکھا، یا باندی میں دیکھا، یا سواری کے جانور میں دیکھا۔ جب میں نے اپنے رب کا حکم ماننے میں کوتاہی کی جو میرے ماتحت تھے انہوں نے میرا حکم ماننے میں کوتاہی کی۔ اب آج کہتے ہیں جی! میں تو خطیب ہوں میرا بیٹا نالائق بن گیا۔ کیسے نالائق بنا، جب اپنوں سے کوئی غلطیاں ہوتی ہیں تو کچھ اس میں اپنی بھی غلطی ہوتی ہے، سمجھے! اجب اپنوں سے غلطیاں ہوتی ہیں تو کچھ اس میں اپنی بھی غلطی ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نسل کو علم سے محروم کر دیتے ہیں۔ کوتاہیاں ہوتی ہیں، نافرمانیاں ہوتی ہیں۔

دنیا کے بنانے والے سے بنا کے رکھیے:

دنیا کہتی ہے رہنا دریا میں اور مگر مچھ سے بیر، ارے دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر نہیں چل سکتا۔ رہنا دنیا میں اور دنیا بنانے والے سے بیر۔ پروردگار عالم کو ناراض کر لینا گناہوں کے ذریعے سے۔ بس یہ شکر سمجھیے کہ پروردگار عالم کا حلم بڑا ہے وہ مہلت بڑی دیتے ہیں۔ پروردگار عالم کا حلم بڑا ہے وہ مہلت بہت دے دیتے ہیں۔ جب ہم رنگے ہاتھوں کسی کو پکڑ لیں تو ہم اسی وقت سزا دیتے ہیں۔ پروردگار ہر بندے کو گناہ کرتے رنگے ہاتھوں دیکھتے ہیں اور پھر بھی اپنی بعض نعمتیں ان کو دیتے چلے جاتے ہیں اللہ کا حلم دیکھئے۔ میرے مولا!! آپ کتنے حلیم ہیں، آپ کتنے کریم ہیں۔ ہماری کوتاہیوں پر پردے ڈال دیتے ہیں۔ ہم چھپ چھپ کے گناہ کرتے ہیں مولا! آپ لوگوں کی نظروں میں ہماری عزت بنا دیتے ہیں۔ کوئی عالم کہتا ہے۔ کوئی صوفی کہتا ہے۔ پتہ نہیں لوگ کیا کیا سمجھتے ہیں۔ اے دوست!! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی۔ اس پروردگار نے چھپایا ہوا ہے۔ لوگ حسن ظن رکھتے ہیں تیری تعریفیں کرتے پھرتے ہیں۔ گناہ سے بچنا یہ سالک کا اصل اصول ہے۔

آج کا موقع:

آج کی اس محفل میں زندگی کے پچھلے گناہوں سے سچی توبہ کر لیجئے اور آئندہ دل میں عہد کر لیجئے کہ ہم نے علم اور ارادے سے اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرنی۔ ہم نے علم اور ارادے سے اپنے پروردگار کی نافرمانی نہیں کرنی ہے۔ بس دل میں عہد کر لیجئے اور اس طرح اللہ تعالیٰ سے مدد مانگئے اور اس پر اپنے پیر اور استاد کی دعائیں لیجئے۔ اور اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے سامنے روز روئیے پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیسے دروازے کھول دیتے ہیں۔ گناہوں سے بچنا کیسے آسان فرما دیتے ہیں۔ تو انسان گناہوں سے بچے تب اس معرفت کے راستے پر آگے بڑھ جاتا ہے ورنہ بیعت ہونے کے بعد دس سال بھی گزر سکتے ہیں بیس بھی گزر سکتے ہیں۔ جیسے چکنے گھڑے پر بارش کا پانی نہیں ٹھہرتا اسی طرح شیخ کی توجہات بندے کے دل پر نہیں ٹھہرتیں۔ چکنے گھڑے جو بن گئے تو ان کو توجہات سے فائدہ اٹھانا، ان مجالس سے فائدہ اٹھانا اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم دل میں عہد اور ارادہ کریں کہ ہم نے آج کے بعد گناہ نہیں کرنا۔ اور اگر بالفرض ہو جائے (فرشتہ کوئی بھی نہیں) یہ نہیں کہ عہد کرنے سے ہم فرشتے بن جائیں گے نہیں۔ پہلی بات، اللہ تعالیٰ حفاظت فرما کر بچا لیں گے اور اگر کوئی گناہ کا مرتکب ہو بھی بیٹھا تو پھر معافی مانگے۔ ہمارے اکابر فرشتے نہیں تھے انسان ہی تھے مگر پہلے قدم پر وہ اپنی طرف سے گناہوں سے بچتے تھے اور بالفرض کوئی غلطی کوتاہی ہو جاتی تھی بتقاضائے بشریت تو جب تک اللہ تعالیٰ سے رو رو کر معافی نہیں مانگ لیتے تھے اس گناہ کو دھلوا نہیں لیتے تھے تب تک ان کو چین نہیں آتا تھا۔ پریشان رہتے تھے روتے تھے کئی کئی دن روتے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو شرح صدر دے دیا جاتا تھا کہ گناہوں کو معاف کر دیا گیا ہے۔ اس لئے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس امت میں ایسی ایسی

پاکباز ہستیاں بھی گزری ہیں جن کے نامہ اعمال میں بیس بیس سال تک گناہ لکھنے کا موقع فرشتے کو نہیں ملا...... اس امت میں (مکتوبات میں لکھا ہے) ایسی پاکباز ہستیاں بھی گزری ہیں کہ جن کے گناہ لکھنے والے فرشتے کو بیس بیس سال کسی گناہ کے لکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اللہ اکبر! جب یہ حضرات ایسا نامہ اعمال لے کر اللہ کے حضور پیش ہوں گے اور ایک طرف ہم ہوں گے کہ گناہ سے کوئی بھی دن خالی نہیں۔

اپنا محاسبہ خود کیجیے:

تو میرے دوستو! روز اٹھیے اور ہر دن میں اپنے دل میں ہی ایک عہد اور ارادہ کیجئے مالک! میں آج کا دن گناہوں کے بغیر گزارنا چاہتا ہوں میری مدد فرمایئے اور اس دن گناہوں سے بچنے کی کوشش کیجئے پھر رات کو اپنا محاسبہ کر لیجئے اگلے دن پھر صبح یہ نیت کر لیجئے۔ جب آپ زندگی کی ترتیب ایسی بنالیں گے تو چند دنوں کے بعد اللہ رب العزت گناہوں سے حفاظت فرمادیں گے۔ اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچالیں گے۔

ہمارے سلسلہ عالیہ کے ایک بزرگ تھے عجیب بات کیا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جو بندہ علم اور ارادہ سے گناہ کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ پروردگار اس کی دعاؤں کو رد کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ ایک اور عجیب بات کہی مجھے تو بہت اچھی لگی بہت اچھی لگی۔ خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے شیخ تھے۔ وہ فرماتے تھے جس نے جو دن گناہوں کے بغیر گزارا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے وہ دن نبی علیہ السلام کی صحبت میں گزارا۔ اب حدیث کے طالب علموں کے دل میں یہ تمنا ہونی چاہیے کہ اے اللہ! ہمیں ہر دن ایسا گزارنے کی توفیق عطا فرما کہ جیسے محبوب ﷺ کی صحبت میں پورا دن گزار رہے ہوں۔ دن کو حدیث کی کتابیں کھول کر بیٹھتے ہیں اور پھر شام کو گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اے اللہ!! اس نحوست سے ہم کب بچیں گے۔ اے مالک!! آپ کی ناراضگی سے ہم کب بچیں گے۔ یہ جو آپ نے

امت سے توفیق چھین لی ہے اے اللہ!! آپ کس وجہ سے ناراض ہیں۔ میرے مولا!! ہم توبہ کرتے ہیں اب اللہ!! گناہ کی ذلت سے بچالینا۔ اے اللہ ہم گناہ کی ذلت میں نہیں جانا چاہتے اس دلدل سے نکال لینا ہم گناہ کرنا بھی چاہیں اے اللہ! تو ہمیں کرنے سے روک دینا۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے روئیں گے عاجزی کریں گے تو رب کریم ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر آئندہ گناہوں سے ہماری حفاظت فرمائیں گے۔ اور پھر دیکھنا کہ علم کی معرفت کی وہ شمع سینے میں جلے گی کہ اللہ رب العزت اس نور سے پوری دنیا کو منور فرمائیں گے۔

ماسٹر پیس:

جی ہاں! جیسے بنتا ہے نہ کوئی ماسٹر پیس (Master piece)، تو وہ کاریگر اس کو ذرا سب لوگوں کو دکھانے کے لیے سیمپل رکھ لیتا ہے، ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے ''کچھ اللہ کے بندے ہوتے ہیں جو اپنے من کے اندر اللہ کی محبت کو اتار چکے ہوتے ہیں، گناہوں سے توبہ کر چکے ہوتے ہیں، وہ ایسے سیمپل بن جاتے ہیں اللہ پوری دنیا کے انسانوں کو دکھانے کے لیے ان کو قبول کر لیتے ہیں۔ یہ سیمپل بنا ہوا ہے میرے بندو!! دیکھو ان کو...... کیسے انہوں نے دنیا سے ماسویٰ کو نکالا دل سے؟ کیسے یہ میرے بنے؟ اللہ تعالیٰ اپنے دنیا کے ملکوں کو ان کیلئے دنیا کے محلے بنا دیتا ہے۔'' آج اس وقت میں گناہوں سے سو فیصد بچنے والے بہت کم ہیں اللہ کرے کہ ہم کوشش کرنے والے بن جائیں۔

حال دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے تو ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

اللہ کے وہ بندے جو سو فیصد گناہوں سے بچ جائیں اپنے رب کے تابع ہو

جائیں۔ اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً پر عمل پیرا ہو جائیں تو آج یہ قدسی ہستیاں دنیا میں بہت تھوڑی ہیں۔ اللہ رب العزت ہمیں ایسے حضرات کی صحبتیں نصیب فرما دے اور گناہوں کی نحوست سے اللہ تعالیٰ ہماری جان چھڑا دے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہم سے ہٹالی ہیں اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو واپس فرما دے اور ان نعمتوں کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرما دے۔

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمین

اللہ تعالیٰ کی قدردانی

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o
اِنِّيْ لَا اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ o وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ o
وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

عمل شروع کرنے کی قدردانی

اللہ رب العزت اپنی صفات میں کامل ہیں، بندہ اپنی صفات میں ناقص ہے۔ اللہ رب العزت کی صفات کی انتہا نہیں۔ اگر ہم ساری زندگی بھی اس کی صفات پر غور کرتے رہیں تو ہم اللہ رب العزت کی صفات کی معرفت نہیں پا سکتے۔ اس لیے اس کے جو صفاتی نام ہیں حدیث پاک میں معروف تو ننانوے ہیں مگر حقیقت میں وہ بے حد و حساب ہیں۔ نبی ﷺ نے دعا مانگی اے اللہ! میں تیرے ہر اس نام کی برکت سے دعا مانگتا ہوں جس کا تو نے اپنے انبیا علیہم السلام کو علم دیا یا فرشتوں کو علم دیا یا جس کا علم تو نے کسی کو نہیں دیا تجھے خود معلوم ہے میں ان ناموں کی برکت سے بھی دعا مانگتا ہوں۔

جس کے ناموں کی نہیں ہے انتہا
ابتداء کرتا ہوں اس کے نام سے

اللہ رب العزت کی صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ وہ بڑے قدردان ہیں۔ توجہ فرمائیے گا کہ اللہ رب العزت بڑے قدردان ہیں وہ قدر فرماتے ہیں، اپنے بندوں کو

نعمتیں دیتے ہیں اور اس کے بندے جو اعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی بھی قدردانی فرماتے ہیں، وہ بڑے مہربان اور قدردان ہیں۔ اس لیے دین اسلام میں ایک اصول بنادیا گیا:

اِنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی

کہ بیشک تم میں سے کوئی مرد ہو یا عورت ہو میں کسی کے کیئے ہوئے عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔ تو جو بندہ بھی اللہ کی رضا کیلئے کوئی عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں فرمائیں گے۔ اب ذرا اس کی مثال سمجھ لیجئے کہ جب دفتر میں کسی کلرک نے اپنے افسر کے سامنے کوئی خط پیش کرنا ہوتا ہے تو اس کو کئی دفعہ ٹائپ کرنا پڑتا ہے۔ ایک غلطی نکل آئی پھر ٹائپ کرو، پھر دوسری نکل آئی پھر کرو، پھر سپیلنگ کی غلطی نکل آئی، پھر پیراگراف خوبصورت نہیں لگ رہا تو کئی کئی کاغذ ضائع ہونے کے بعد پھر ایک کاغذ فائنل بنتا ہے۔ اس پر صاحب لوگ سائن کرتے ہیں۔ اور اگر غلطیوں والا لیٹر ہی دے دیا جائے کہ جی میں نے ٹائپ کردیا۔ اب آپ غلطیاں بھی ٹھیک کردیں سائن کردیں تو کوئی بھی حاکم نہیں مانے گا۔ اللہ تعالیٰ کی شان بھی ایسی ہی تھی کہ بندہ عمل کرتا اور اس میں کوئی غلطی ہوتی تو اللہ تعالیٰ رد فرمادیتے کہ جاؤ میرے بندے مجھے بغیر غلطی کے عمل چاہیے پھر ہمارا کیا بنتا۔ اگر یہ حکم دے دیا جاتا کہ مجھے غفلت والی نماز قبول نہیں بغیر غفلت کے نماز پڑھو تو ہم سارا سارا دن نمازیں ہی پڑھتے رہتے۔ پتہ نہیں کوئی ایسی نماز پڑھ بھی سکتے یا نہ پڑھ سکتے۔ شریعت نے حکم بنادیا کہ بندہ نماز پڑھ رہا ہے اب اس سے اگر کوئی بھول ہوگئی غفلت ہوگئی واجب تک کے درجے کی، سنت نہیں واجب تک کے درجے کی تو اب اس کو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی نماز کے آخر پر وہ سجدہ سہو اگر کرلے تو اس کی وہی نماز قبول ہوجائے گی۔ اب جو بندہ نماز پڑھ رہا ہے، اگر اس کو نماز میں رکعتیں یاد نہیں رہیں تو آسان سا حکم تھا نئے سرے سے پڑھو مگر اس میں بندے کی محنت ضائع ہوجاتی۔ اللہ تعالیٰ

قدردان ہیں وہ بندے کی محنت کو ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ وہ مہربان ہیں مشقت بھی نہیں اس پر دینا چاہتے تو اصول بنادیا کہ بھئی واجب تک کے درجے کی تمہاری کوئی غلطی ہو تو اخیر پر سجدہ سہو اگر کرلو گے تو ہم اسی نماز کو قبول فرمالیں گے۔ ذرا غور کیجئے یہ اللہ رب العزت کی کتنی بڑی مہربانی ہے کتنی بڑی رحمت ہے اور کتنی قدردانی ہے کہ بندے کے عمل کو ضائع نہیں ہونے دیا۔ ایک صوفی صاحب نماز پڑھ رہے ہیں، رکعتیں بھول گئے اب اگر کہیں کہ مجھے تو ٹھیک نماز پڑھنی تھی میں اس کو توڑ کے نئی نماز پڑھتا ہوں تو شریعت کہتی ہے نہیں، اس کو نماز توڑنا گناہ ہے۔ حالانکہ بھول چکا۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ گمان غالب کرو کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھ لیں۔ اب گمان غالب جتنا بھی ہے اس کے بعد بقیہ رکعتیں پڑھ کر اگر تم سجدہ سہو کرلو گے اللہ رب العزت اسی نماز کو قبول فرمالیں گے۔ تو کوشش یہ کی گئی کہ کیئے ہوئے عمل کو ضائع نہ ہونے دیا جائے۔ یہ کون کرتا ہے؟ جو قدردان ہوتا ہے جو مہربان ہوتا ہے یہ کام وہ کرتا ہے۔

چنانچہ ایک آدمی جنگل میں ہے اور پتہ ہی نہیں کہ قبلہ کدھر ہے۔ شریعت نے کہا اٹکل لگاؤ، قیافہ لگاؤ، تحری کرو کہ کدھر ہے قبلہ جب تمہارا دل سمجھ لے کہ اس طرف ہے قبلہ تو نماز شروع کرو۔ اب ایک بندے نے نماز پڑھنی شروع کردی۔ لیکن دو رکعت پڑھنے کے بعد اس کو نماز کے دوران بعض قرائن سے پکا پتہ چل گیا کہ میں تو الٹی سمت پہ نماز پڑھ رہا ہوں اور یہ تو پچھلی سمت میں قبلہ تھا تو شریعت نے یہ حکم نہیں دیا کہ نماز توڑو اور ادھر پڑھو۔ نہیں..... فرمایا اگرچہ نماز میں ہو اور اب غالب گمان یقین کے درجے تک آگیا کہ پچھلی سمت ہے تو تم اپنا رخ پیچھے کو بدل کے دو رکعت ادھر پڑھ لو، ہم ادھر کی بھی قبول کرلیں گے، ادھر کی بھی قبول کرلیں گے۔ اے مالک! نماز تو اس نے قبلہ سے دوسری طرف پڑھی تھی مگر اصول بنادیا کہ ہم کسی کے کیئے ہوئے عمل کو ضائع نہیں کریں گے۔ یہ کتنا بڑا اصول ہے ذرا اس کی گہرائی پر اور اس کی افادیت پر غور کیجئے ہم تو نہیں سمجھ پا رہے ہیں لیکن اللہ

رب العزت نے کتنا بڑا انعامی فیصلہ فرمادیا، مرد ہو یا عورت میں تم میں سے کسی کے کئے ہوئے عمل ضائع نہیں کروں گا۔ بہت بڑا انعامی فیصلہ، اللہ رب العزت کا ہم عاجز مسکینوں کیلئے آسانیاں ہوگئیں۔ یہاں تک کہ شریعت نے بتادیا کہ اگر کچھ لوگوں نے مل کے نماز پڑھ لی جماعت کے ساتھ تو اس میں سے کئی غفلت کے ساتھ پڑھ رہے۔ تھے کئی نماز میں تھے مگر گلی کوچے کی سیریں کر رہے تھے۔ شریعت نے ایک فیصلہ دے دیا کہ اگر پوری جماعت میں سے کسی ایک کی نماز بھی اللہ کے ہاں قبول ہوگئی تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے پوری جماعت کی نماز قبول فرمالیں گے۔ اللہ رب العزت کا کرم دیکھئے اس کو جود اور احسان دیکھئے بندوں پر۔ تو شریعت ہمیشہ اس بات کا لحاظ کرتی ہے کہ بندے کا کیا ہوا عمل ضائع نہ ہو جو بھی عمل کر رہا ہے وہی عمل قبول ہو جائے، اسی کو ٹھیک کیا جائے۔ تو یہ بہت بڑا انعامی معاملہ ہے، پروردگار عالم کی مہربانی ہے۔ آپ کو کوئی بھی استاد اگر کام دیتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے اس میں غلطی نہیں چاہیے۔ اگر استاد کے سامنے کچھ لکھ کے پیش کرو اور غلطی ہو تو وہ کہتا ہے کہ نہیں جاؤ اور اس کو نئے سرے سے لکھ کے لاؤ۔ رب کریم نے کتنی مہربانی فرمادی کہ ہمارے ٹوٹے پھوٹے عملوں کو بھی وہ پروردگار قبول فرمالیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت بڑے مہربان بڑے قدر دان ہیں۔

مال خرچ کرنے کی قدر دانی:

اچھا غور کیجئے کہ اگر آپ اپنے بیٹے کو ایک لاکھ روپیہ دیں۔ خود اپنی طرف سے دیا بیٹے کو ہدیہ تحفہ دیں اور پھر آپ کو اس میں سے ایک روپیہ کی ضرورت پڑ جائے کہ کسی کو دینا ہے تو باپ توقع کرتا ہے کہ میں نے ابھی اس کو ایک لاکھ روپیہ دیا ہے۔ اگر یہ ایک روپیہ دے بھی دے تو کون سی بڑی بات کہی اس نے۔ تو ہم اس کو بڑی بات نہیں سمجھتے لیکن اللہ رب العزت کا احسان دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں سے نعمتیں اپنے بندوں کو دیں مال دیا، رزق دیا، سب کچھ دیا، اب اس دیئے ہوئے رزق میں سے اگر اس کا کوئی بندہ

اللہ کے راستے میں کوئی ایک روپیہ خرچ کر دیتا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ تم نے جو میرے راستے میں خرچ کر دیا یہ تم نے مجھے قرض حسنہ دے دیا۔ اے مالک! دیا ہی تو آپ نے تھا اگر اس میں سے ہم نے کچھ خرچ بھی کر دیا تو کون سی بڑی بات کی ہم نے مگر نہیں وہ قدر دان ہیں چنانچہ فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا حالانکہ وہ خزانوں کے مالک ہیں ان کے خزانوں کی کوئی انتہا نہیں وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان اور زمین کے خزانے اللہ کے پاس ہیں لیکن اگر کوئی بندہ اس مالک کے دیئے ہوئے مال میں سے کوئی ایک روپیہ بھی اس کے راستے میں خرچ کر دیتا ہے، پروردگار فرماتے ہیں میرے بندے تم جو یہ خرچ کر رہے ہو تم کسی فقیر کو نہیں دے رہے کسی مدرسے کے مہتمم کو نہیں دے رہے یہ تو تم مجھے قرض حسنہ دے رہے ہو۔ اللہ اکبر! قدر دانی کی انتہا دیکھئے کہ پروردگار عالم نے اس کو قرض حسنہ فرمادیا۔

روزہ دار کی قدر دانی:

پھر اور دیکھئے کہ اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کو یہ نعمتیں دیں اب بندہ عبادت کرتا ہے تو اس کی عبادت سے خوش ہو کر اس کی قدر دانی فرماتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ روزہ دار بندہ جب روزہ رکھتا ہے اور روزہ کی وجہ سے اس کے منہ میں سے مہک آتی ہے وہ مہک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔ اللہ اکبر! قدر دانی دیکھئے کہ بندے نے لبیک کہی اللہ کے حکم پر اب اس کے منہ سے بو آرہی ہے۔ بولو تو کسی کو بھی اچھی نہیں لگتی مگر نہیں محبت کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان کا تعلق ہے۔ بندوں کے ساتھ تو بندے کے منہ کی بدبو کی بھی قدر دانی فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں اے بندے! روزے کی وجہ سے تیرے منہ سے جو بدبو نکلتی ہے مہک نکلتی ہے وہ ہمارے نزدیک پھولوں کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہوتی ہے۔

ناقص مال کی قدردانی:

اللہ رب العزت کتنے قدردان ہیں۔ ہم کوئی سودا لینے جاتے ہیں نا۔ تو سودے کے اندر اگر کوئی نقص دیکھتے ہیں تو ہم نہیں قبول کرتے۔ کوئی بھی بندہ عیب دار چیز کو نہیں لا پسند کرتا۔ لیکن اللہ رب العزت کی رحمت دیکھئے بندے کو انہوں نے پیدا کیا بندے کے اندر خوبیاں بھی ہیں تو خامیاں بھی ہیں اللہ تعالیٰ نے خود تذکرہ فرمادیا۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا...... ضَعِيْفًا...... حَلُوْعًا ...... جَذُوْعًا...... مَلُوْعًا.

یہ سارے انسان کے قصیدے سنائے گئے جھگڑالو بھی ہے...... جلد باز بھی ہے...... یہ بھی ہے...... وہ بھی ہے اب یہ ساری خامیاں بندے کے اندر ہیں تو جب مال میں خامیاں ہوں تو لینے والا لیتا تو نہیں نا۔ مگر اللہ رب العزت کی مہربانی دیکھئے وہ بندوں پر اتنے مہربان ہیں۔ یک طرفہ سودا عیب والا کر دیا۔ قرآن مجید میں فرمادیا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ.

اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا۔ حالانکہ سودا عیب والا تھا، بندے کے اندر عیب تھے اور عیب والا سودا کوئی نہیں خریدتا مگر پروردگار اپنے ازلی علم کے باوجود اس سودے کو قبول کر لیتے ہیں اسی کو کسی شاعر نے یوں کہا کہ

اے اللہ تو بعلم ازل مرا دیدی
دیدی آنکہ بعیب بخریدی

"اے اللہ تو ازلی علم کے ساتھ مجھے جانتا ہے۔ اور میرے عیبوں کو جاننے کے بعد، اے اللہ پھر تو مجھے خریدتا ہے کہ میں نے مومنوں سے ان کی جان کو خرید لیا۔"

تو بعلما و من بعیب ہما
رد مکن آں چہ خو پسندیدی

اے اللہ تو ازلی علم والا ہے اور میں انہی عیبوں والا ہوں، اللہ اس کو رد نہ کیجئے گا جس کو آپ نے ایک مرتبہ پسند فرمالیا۔

تو وہ کتنا مہربان ہے بندوں کے عیبوں کے باوجود اس کو قبول فرمالیا۔ یہ اللہ رب العزت کا احسان ہے اس لئے کہ وہ قدردان ہے وہ قدردانی کرتا ہے ہر بندے کے عمل کی قدردانی فرماتا ہے۔

ایمان کی قدردانی:

اللہ رب العزت کی قدردانی سن لیجئے۔ بی بی آسیہ زوجہ فرعون، جب اس کے جسم سے کھال اتاری گئی تو فرعون سخت غصے میں تھا۔ میری بیوی ہو کر یہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی۔ اس کی انا کا مسئلہ تھا۔ اس نے کہا میں تجھے سب کے سامنے ذلیل کروں گا۔ اپنی ناک بچانے کیلئے بڑا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اپنی Face saving کیلئے۔ میری بیوی یہ مجھے نہیں مانتی ان کی بن گئی، ان پر ایمان لے آئی۔ کہتا ہے میں سب کے سامنے رسوا کرونگا۔ کہا ٹھیک ہے جو چاہتے ہو کرو۔ اس نے ان کو دربار میں بلایا اور بھرے دربار میں غصے کی وجہ سے کہنے لگا۔ کہ ایک تو میں نے تمہیں اس محل سے ہمیشہ کیلئے دھکا دیدیا۔ میں نے پسند کیا تھا کہ تم بڑی خوبصورت ہو، پورے ملک کی عورتوں میں سے چن کے میں نے تمہیں اپنی بیوی بنایا اور تم جانتی ہو میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اور تمہاری آنکھ کے اشارے پر سینکڑوں خادم ہیں یا خادمات ہیں جو حکم بجالانے کیلئے تیار۔ تم ان سب نعمتوں کو چھوڑ کے آرہی ہو اب تم اس گھر میں دوبارہ داخل نہیں ہوسکوگی۔ میں نے تمہیں اس گھر سے نکال دیا۔ اور پھر لوگوں کو کہا کہ اس کو بے لباس کرو۔ اور اس طرح لٹاؤ کہ اس کا چہرہ اس محل کی طرف رہے، اس کو پتہ رہے کہ میں کہاں سے نکال دی گئی۔ اب جب ان کے

ساتھ معاملہ ہوا اور ان کے جسم سے کھال اتاری جانے لگی تو انہوں نے دعا مانگی اللہ رب العزت سے کہ اے پروردگار مجھے ایک تو نجات عطا کیجئے اس فرعون اور اس کے عمل سے، اور اس نے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا اب اس کے بدلے میں رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ ۔اے اللہ! مجھے اپنے قرب میں جنت کا مکان عطا فرما دیجئے۔ تو جنت کا مکان مانگا بی بی آسیہ نے۔ چونکہ عورت جب بے گھر ہوتی ہے تو اس کی سب سے بڑی پریشانی ہوتی ہے، مجھے کوئی سایہ ملے۔ مجھے کوئی گھر مل جائے۔ تو انہوں نے دعا مانگی۔ یہ عورت کی فطرت ہے۔ تو دعا مانگی رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ۔ اے اللہ! اس کے بدلے میں مجھے جنت میں اپنے قرب کا مکان عطا فرما دیجئے۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدردانی دیکھئے کہ رب کریم نے ان کی اس دعا کو قبول کر کے جنت میں گھر تو دیا ہی سہی ایک اور عنایت بھی کر دی۔ وہ کیا تھا؟ روح المعانی میں لکھا ہے کہ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود تھے اور سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات ہونے لگی تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جب آپ جنت میں جاؤ گی تو وہاں میری بیویوں کو میرے سلام کہہ دینا۔ وہ بڑی حیران ہوئی اے اللہ کے محبوب ﷺ میں دنیا میں آپ کی بیوی ہوں اور اب میری وفات ہو رہی ہے، تو جنت میں آپ کی بیوی کون ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا خدیجہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ نے مریم کو اور آسیہ (زوجہ فرعون) کو جنت میں میری بیویاں بنا دیا ہے۔ تو قدردانی دیکھئے کہ بی بی آسیہ نے اللہ سے فقط گھر مانگا۔ اللہ تعالیٰ نے قدردانی کرتے ہوئے گھر والا بھی عطا فرما دیا۔ کیسی قدردانی ہے، کتنی بڑی مہربانی ہے۔ انہوں نے تو یہ دعا نہیں مانگی تھی کہ مجھے ایسا گھر والا عطا کر دیجئے۔ انہوں نے فقط گھر مانگا تھا۔ مگر میرے مالک! آپ کتنے قدردان ہیں آپ نے گھر بھی دیا اور ایسا گھر والا دیا کہ اس سے بڑے انعام کا کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اتنے قدردان ہیں پروردگار عالم۔

ہم نے دیکھا جب ہم چھوٹے بچے تھے۔ محلے کے دوکاندار کے پاس جاتے...... وہ ہمارے بھائی، والد کے بڑے دوست تھے۔ وہ کبھی ہمیں دوکان پر دیکھتے نا تو بڑے خوش ہوتے کہ یہ فلاں گھر کا بچہ آ گیا ہے۔ اب جب ہم سودا لیتے تو وہ سودا بھی ہمیں تول کے دیتے اور اپنی طرف سے کچھ تھوڑا سا ''جھونگا'' اس کو کہتے ہیں وہ بھی اوپر دے دیتے، لو بچہ یہ بھی کھاؤ۔ تو اللہ رب العزت کی رحمت دیکھئے وہ بھی قدردان ہیں، بڑے مہربان ہیں۔ بندے نے جو مانگا وہ تو دیتے ہی ہیں۔ اپنی رحمت سے اپنی شان کے بقدر اور بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ اللہ رب العزت بڑے قدردان ہیں بڑے مہربان ہیں۔

نبی علیہ السلام کی خدمت کی قدردانی:

ایک اور مثال سن لیجئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے منہ بولے بیٹے کہلائے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے حکایات صحابہؓ میں ان کا واقعہ لکھا۔ فرماتے ہیں بچپن میں گھر سے بے گھر ہو گئے تھے اور کسی طرح وہاں پہنچ گئے تھے۔ غلام بن گئے بالآخر چلتے چلتے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے والدان کے لئے بڑے اداس رہتے تھے۔ والدہ اداس ہوتی، چچا اداس ہوتے۔ ان کے لئے انہوں نے بڑے اشعار کہے اور ان کو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ کسی نے بتا دیا کہ ہم نے تو ان کو فلاں جگہ دیکھا۔ چنانچہ والد اور چچا ان کو لینے کے لئے وہاں حاضر ہوئے۔ پہلے انہوں نے بچے کو سمجھایا کہ بچے! تیری ماں اداس رہتی ہے۔ میں اداس ہوں رشتے دار سارے اداس ہیں اور دیکھو تیرے پیچھے ہم نے کتنے سفر کئے، کتنی مشقتیں اٹھائیں اب قسمت سے مل گئے ہو اب ہمارے ساتھ چلو۔ مگر بغیر اجازت کے تو لے جا نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے چچا اور والد نے یہ بات کہی' اے بنو ہاشم کی اولاد! آپ بڑے کریم لوگ ہیں بڑے سخی لوگ ہیں ہمارا یہ بچہ اس طرح آپ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اب ہم آئے ہیں کہ اس بچے کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ نبی ﷺ نے بڑا ہی پیارا جواب فرمایا

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ بچہ جانا چاہتا ہے تو بیشک آپ کے ساتھ چلا جائے اور اگر یہاں رہنا چاہتا ہے تو اس کو زبردستی میں نہیں بھیجوں گا۔ اختیار اس بچے کو دیدیا کہ وہ جانا چاہتا ہے تو چلا جائے، Choice اس کے پاس ہے۔ جب زیدؓ اس کے پاس Choice آ گیا کہ وہ چاہے تو والدین کے ساتھ چلا جائے اور چاہے تو نبی ﷺ کی خدمت میں رہے۔ روایت میں آتا ہے کہ زید ؓ بچے تھے مگر اسی وقت اٹھے اور اٹھ کر نبی ﷺ کی گود مبارک میں آ کر بیٹھ گئے۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں آپ سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اب زید ؓ نے ایک عمل کیا کہ والدین کو چھوڑ کر نبی ﷺ کی گود کو پسند کیا۔ اللہ رب العزت کی قدردانی دیکھیے یہ وہ صحابی ہیں کہ ان کو پوری زندگی زید بن محمد ﷺ کے نام سے دنیا میں پکارا جاتا تھا۔ ان کے والد کی جگہ نبی ﷺ کا نام لیا جاتا تھا۔ یہ وہ صحابی ہیں جن کا قرآن پاک میں نام آیا،،

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا.

نبی ﷺ نے اپنی ایک کزن کے ساتھ ان کی شادی فرما دی۔ تو اللہ رب العزت کی قددانی دیکھیے کہ جو اپنے والد کی بجائے نبی ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے والد کے بجائے اپنے محبوب ﷺ کے نام سے اس بچے کو دنیا میں شہرت عطا فرما دیتے ہیں۔ زید بن محمد ﷺ کہا جانا کوئی چھوٹا اعزاز ہے ان کے لیے؟ اس سے بڑا اعزاز تو دنیا میں ہو ہی نہیں سکتا۔ تو یہ اللہ رب العزت کی قدردانی دیکھیے۔

سلمان فارسی ؓ بچپن میں ایک عیسائی راہب کے بتانے پر علم حاصل کرنے کے لیے نکل پڑے۔ لمبی باتیں ہیں حدیث پاک کی۔ چنانچہ وہ جو تھے چلتے چلاتے بالآخر مدینہ طیبہ ایک یہودی کے غلام بنے۔ پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اسلام قبول کر لیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اصحاب صفہ میں رہو۔ ان کے مانیٹر بن گئے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے لیے گھر بار سب کچھ قربان کیا۔ رشتے دار چھوڑے اللہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کی

قدردانی دیکھیے کہ نبی ﷺ نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا تو پیار سے فرمایا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ ۔ سلمان تو میرے اہل بیت میں سے ہے۔ اے اللہ! آپ کتنے قدردان ہیں کہ جو اپنے گھر بار کو اللہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے، اللہ! آپ اس کو نبی ﷺ کے اہل بیت میں شامل فرما دیتے ہیں۔ اللہ اکبر! ان کا نبی ﷺ کے اہل بیت میں شمار ہوا۔ کہ نبی ﷺ نے خود فرما دیا کہا اَلسَّلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ ۔ یہ اللہ رب العزت کی قدردانی ہے۔ وہ بڑے مہربان ہیں۔ بندہ پر قدردان ہیں وہ چاہتے ہیں کہ قدردانی کی جائے۔

توبہ کی قدردانی:

ذرا غور کیجیے دنیا میں اگر کسی بندے سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے یا سرزد نہ ہو لیکن اس پر غلط مقدمہ بن جائے۔ عدالت تحقیقات کرتی ہے۔ تحقیقات کے بعد پتہ چلے کہ یہ مقدمہ جھوٹا تھا۔ تو عدالت مقدمہ تو خارج کر دیتی ہے مگر مقدمے کا ریکارڈ رکھتی ہے۔ اب اگر عدالت کو کوئی کہے کہ جی ریکارڈ ختم کر دو۔ عدالت کہے گی ہرگز نہیں، مقدمہ جھوٹا تھا ثابت ہو گیا تم بے گناہ ہو ہم نے مقدمہ خارج کر دیا۔ لیکن ہم اپنے ریکارڈ میں رکھیں گے کہ مقدمہ تھا!! تو دنیا کی عدالت کا یہ معاملہ ہے۔ اور اللہ رب العزت کا معاملہ دیکھیے کہ بندہ واقعی گناہ گار تھا Criminal تھا، ثابت ہو گیا کہ اس نے کرائم کیا تھا لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے آ کر رحم کی اپیل کر لیتا ہے، معافی مانگ لیتا ہے، توبہ کے لیے کلمات کہہ دیتا ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر کے فقط گناہ ہی معاف نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ نامہ اعمال سے اس کا ریکارڈ ہی ختم کروا دیتے ہیں۔ اتنی قدردانی اس کی معافی مانگنے کی کہ ریکارڈ بھی نہیں رکھتے۔ بلکہ حدیث پاک میں ہے، اَلنَّسِيَ اللّٰهُ الْحَفَظَةَ ۔ جو لکھنے والے فرشتے تھے اللہ تعالیٰ ان لکھنے والے فرشتوں کی یادداشت سے گناہ مٹا دیتے ہیں تاکہ یہ قیامت کے دن گواہی بھی نہ دے سکیں۔ اللہ اکبر!!

اے مالک!! آپ کتنے قدردان ہیں آپ کتنے مہربان ہیں اپنے بندوں پر۔ اللہ

رب العزت بڑے قدردان ہیں بڑے مہربان ہیں۔

ہم ناقدرے:

اس کے بالمقابل ہم بندے انتہائی بے قدرے ہیں۔انسان انتہائی ناقدرا ہے۔ اپنے محسن حقیقی کی قدر نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ نے اتنی نعمتیں دیں۔سر سے لیکر پاؤں تک انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے مگر ہم اللہ رب العزت کی قدر نہیں کرتے، جیسے ہمیں کرنی چاہئے تھی۔اللہ رب العزت اتنے حوصلے والے ہیں، اتنے حلم والے ہیں مگر اس کے باوجود فرمانا پڑا،

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ،

انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسے کہ قدر کرنی چاہیے تھی۔

انسان ناقدرا ہے ناشکرا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْد

بیشک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ،

اور یہ اس کے اوپر خود گواہ ہے۔

اس کا دل کہتا ہے کہ واقعی میں ناشکری کرتا پھرتا ہوں۔اور رحمان بڑا ہی قدردان ہے۔ہماری ناشکری کا حال دیکھئے ہم میں تھوڑے ہونگے جو شکر ادا کرنے والے ہونگے۔ قرآن مجید نے فیصلہ دے دیا،

وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِىَ الشَّكُوْر

تھوڑے بندے ہیں جو میرا شکر ادا کرنے والے ہیں

جیسے کرنی چاہئے قدر ہم اس پروردگار کی ویسی قدر نہیں کرتے۔اب ہم اگر غور کریں

کہ ہم کتنی ناقدری کرتے ہیں تو پھر یہ بات سمجھ میں آجائے گی۔سچی بات تو یہ کہ آج کا انسان اکثر بے قدری کرتا ہے۔اولاد ماں باپ کی بے قدری کر رہی ہے، شاگرد پیر و استاد کی بے قدری کر رہے ہیں، بیوی اپنے خاوند کی بے قدری کر رہی ہے۔طبیعتیں ایسی بن گئی ہیں قدردانی نہیں کرتے۔بڑا بھائی ساری زندگی قربانیاں دیتا رہے گا کسی چھوٹی سی بات پہ بڑا بھائی خفا ہوا۔بڑے بھائی سے بولنا چھوڑ دیگا۔وہ جو بھائی کا ایک رشتہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آباد رکھنے کا، جوڑنے کا حکم دیا، وہ صلہ رحمی، ہم سب سے پہلے اس پر قینچی پھیرتے ہیں۔

وَ يَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ

اور توڑتے ہیں جس تعلق کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا

جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ان رشتہ داریوں کو ہم آرام سے توڑ دیتے ہیں۔ بات ہی نہیں کرتے، او جی بھائی بھائی ہیں مگر آپس میں بولتے نہیں۔بھائی بہن ہیں مگر آپس میں بولتے نہیں۔یہ ہم مسلمانوں کا حال بنا ہوا ہے۔اندازہ لگائیے کہ اتنی قریبی رشتہ داریوں کا بھی ہم کوئی لحاظ نہیں کرتے، کوئی اس کی قدردانی نہیں کرتے۔جس استاد سے پڑھا ہوتا ہے اس استاد کی بے قدری۔ذرا سی بات ہو...... سنی سنائی، استاد کے ساتھ بدگمانی شروع کر دیتے ہیں۔اب بھئی بدگمانی کس بات کی، دلیل کوئی بھی نہیں بس ایسے ہی سنی سنائی بات پہ بدگمانی۔جیسے ایک صاحب حرم میں ملے کہنے لگے کہ جی مجھے آپ سے محبت تو بہت ہے لیکن تھوڑی سی بدگمانی ہے میرے ذہن میں۔ہم نے پوچھا بھئی اللہ خیر کرے، اللہ میری اصلاح فرمادے، آپ نشاندہی کر دیں تو میں آپ کو اپنا محسن سمجھوں گا۔ کہنے لگا جی بدگمانی یہ ہے کہ آپ جب بیان کرتے ہیں تو لوگ اس وقت فوراً گناہوں سے توبہ کرنے کے لیے سوچ لیتے ہیں، بیعت ہونے پہ آمادہ ہوجاتے ہیں اور آپ اسی محفل میں پھر ان کو بیعت کر لیتے ہیں۔بدگمانی یہ آئی کہ آپ ان کو سوچنے کا موقع دیا کریں اور

کچھ دنوں کے بعد بیعت کیا کریں، اب ذرا سوچیئے! بھئی دل موم ہوئے، اللہ کی رحمت اتری، بندے توبہ کے لیے تیار ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں شیطان کو موقع ملنا چاہیے ان کو ورغلانے کا۔ لہٰذا شیطان کو ایک دو دن موقع دیں اور بعد میں اگر کوئی بیعت ہونے کے لیے آتا ہے تب ان کو بیعت کیا کریں۔ نہ سر نہ پیر۔ اتنی سی بات پر کہ آپ جلدی بیعت کیوں کر لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں سمجھ رہا تھا کہ کوئی اور بات ہوگی اللہ سمجھ عطا فرمادے۔ اومیاں یہ دلوں کا اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا، یہ بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی، یہ اللہ تعالیٰ کے رحمت کے اترنے کی نشانی ہوا کرتی ہے۔ میں نے کہا آپ ذرا کسی بندے کے سامنے کوئی بات کریں اور اس بندے کو توبہ کے لیے آمادہ کریں۔ کہنے لگا میں تو ساری عمر لگا رہونگا تو کوئی بھی میری بات نہیں مانے گا۔ میں نے کہا یہ بندے کے بس کی بات نہیں ہوتی، کہنے والا بھی اللہ کی طرف توجہ کر کے بیٹھا ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے دربار سے مانگ رہا ہوتا ہے سننے والے بھی اللہ کے دربار سے مانگتے ہیں اور جب درد دل کے ساتھ کوئی بات کہی جاتی ہے ایک وقت آتا ہے رحمت الٰہی کو جوش آتا ہے اللہ دلوں کو موم کر کے توبہ کے لیے تیار فرما دیتے ہیں۔

تو آج تو بے قدری کی انتہا ہے۔ کوئی قدردانی نہیں کرتا۔ میاں بیوی آپس میں بس لڑائی کرتے رہیں گے جھگڑے کرتے رہیں گے۔ بیوی میاں کے شکوے ہر وقت اور خاوند بیوی کے شکوے، ایک دوسرے کی ناقدری۔ حالانکہ جب ان میں سے کوئی فوت ہو جائے گا نا...... بیوی فوت ہوگئی اب خاوند کہے گا بڑی اچھی تھی میرے بچوں کو سنبھالا ہوا تھا اور مجھے گھر کی فکر نہیں ہوتی تھی اور اب میرا سکون لٹ گیا۔ اب قدر آئی، اب اس کی تعریفیں کر رہا ہے۔ اور اگر وہی خاوند کہ جس کی صبح وشام بیوی بدتعریفیں کرتی تھی وہ فوت ہو گیا اب بیوی روئے گی نہیں!! بڑا اچھا تھا میرے بچوں کا باپ تھا، مجھے کسی غیر کے سامنے ہاتھ تو نہیں پھیلانا پڑتا تھا۔ میں محفوظ تھی میری عزت کی حفاظت تھی اور آخر گھر ہی

آتا تھا۔ میرے کام کر دیتا تھا اب اس کی اچھائیاں یاد آرہی ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ ہمارے اندر ایک عیب ہے، ہم نعمتوں کی موجودگی میں نعمتوں کی قدردانی نہیں کرتے، جب نعمتیں چھن جاتی ہیں تب ہمیں ان کی قدر آتی ہے۔ تو میرے دوستو! نعمتوں کی قدردانی کے لیے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کیا کریں۔ نعمتوں کی قدردانی کے لیے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کریں۔ وہ قدردانی کیا ہوئی؟

چنانچہ انگریزوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے مردے کے لیے پھول لاتے ہیں اور اس کی قبر پر منوں ٹنوں کے حساب سے پھول ڈال دیتے ہیں تو ایک انگریز نے اس پر ایک نظم لکھی۔ اس وقت پوری نظم تو نہیں سنا سکتے لیکن ایک فقرہ اس کا بڑا عجیب ہے اس نے لکھا،

Why do we wait till a person die?

اس نے کہا یہ کیا بات ہوئی کہ کوئی مرتا ہے تو ہم پھول لے کے جاتے ہیں۔ ہمیں کیوں انتظار کرنا پڑتا ہے کسی کے مرنے کا۔ ہمیں چاہیے تھا زندہ ہوتا ہم محبت کے پھول لے کر جاتے اس کو بھی خوشی نصیب ہوتی ہمیں بھی خوشی نصیب ہوتی۔ تو واقعی مرنے کے بعد پھول لائے تو کیا فائدہ؟ پھول ہی لانے تھے تو زندگی میں لاتے۔ یعنی قدردانی مرنے کے بعد کرنے کا کیا فائدہ؟ چاہیے تو تھا کہ زندگی میں قدردانی کرتے۔ ہم اولاد کی قدردانی کریں، بیوی کی قدردانی کریں، اللہ کی نعمتوں کی قدردانی کریں، پیر واستاد کی قدردانی کریں، نبی ﷺ کی قدردانی کریں اور اپنے رب رحمان کی قدردانی کریں۔ ناقدرے نہ بنیں، اس لیے کہ جو نعمتوں کی ناقدری کرتا ہے تو پروردگار کو جلال آتا ہے۔

تکبر کے بول کا وبال:

عزیز طلباء! جو پروردگار دینا جانتا ہے وہ پروردگار لینا بھی جانتا ہے، سمجھے! جو پروردگار دینا جانتا ہے وہ لینا بھی جانتا ہے۔ ایک واقعہ پہلے بھی شاید میں نے عرض کیا

ہوگا۔ ایک صاحب تھے بہت بڑے زمیندار، بہت بڑے زمیندار، اتنے بڑے لینڈ لارڈ تھے کہ ان کی زمین میں ریلوے کے تین اسٹیشن لگتے تھے۔ پہلا اسٹیشن بھی ان کی زمین میں، دوسرا بھی ان کی زمین میں اور تیسرا بھی ان کی زمین میں۔ اتنے بڑے لینڈ لارڈ تھے۔ ایک مرتبہ شہر میں اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑے بات کررہے تھے تو بات کے دوران ایک نے کہہ دیا کہ کاروبار اچھا نہیں پریشان ہوں تو ان کو اپنے پیسے پر بڑا مان تھا کروڑوں کا مالک بڑا مان تھا دل میں بڑا ناز تھا، تکبر تھا، اس کی بات سن کے کہنے لگے تمہارے پلے ہی کیا ہے۔ ہر وقت روتے پھرتے ہو۔ تم پریشان ہوتے ہو کہ پیسہ آئے گا کہاں سے؟ اور مجھے دیکھو میں پریشان ہوتا ہوں کہ پیسہ لگاؤں گا کہاں پہ؟ انداز سنا! تم پریشان ہوتے ہو پیسہ آئے گا کہاں سے، اور دیکھو میں پریشان ہوتا ہوں پیسہ لگاؤں گا کہاں پہ۔ تکبر کی بات کردی۔ اللہ تعالیٰ کو ناپسند آ گئی۔ نتیجہ کیا نکلا، چھ مہینے کے اندر ایک بیماری میں مبتلا ہوئے اور باوجود مال پیسے کے اس دنیا سے روانہ رخصت ہو گئے۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا، اٹھارہ سال کے قریب اس کی عمر تھی، ساری دولت اسی کے پاس آ گئی۔ کروڑوں کا بینک اکاؤنٹ اور اربوں کی جائیداد اس کے پاس آ گئی۔ اب اس بندے کے پاس جب مال بھی تھا، جوانی بھی تھی، تو پھر اس کے گندے برے دوست بن گئے، جنہوں نے اس کو شراب اور شباب والے کاموں میں لگا دیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں شباب والے کام ایسے ہوتے ہیں کہ بس دنیا میں سب سے زیادہ اسی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ چنانچہ اس نے ہر دن میں نئے مہمان کو بلانا شروع کر دیا۔ گندے لوگوں سے رابطے ہو گئے لاکھوں لٹانے شروع کر دیئے۔ فلاں خوبصورت مہماں چاہئے، اتنے لاکھ۔ فلاں چاہیے اتنے لاکھ۔ یہ اس کی حالت بن گئی۔ چنانچہ چند سالوں میں اس کا بینک اکاؤنٹ سارا ختم ہو گیا تو کسی نے اس کو باہر ملک کا راستہ دکھا دیا، کلبوں کا راستہ۔ فلاں ملک میں کلب ہوتے ہیں، اب وہاں جانا شروع ہو گیا، اب جائیداد بکنی شروع ہو گئی۔ حتی کہ کوئی

پانچ دس سال کے اندر اندر سارا بینک اکاؤنٹ ختم، ساری جائیداد ختم، حتی کہ خود بھی بیمار ہو گیا۔ چونکہ آٹھ دس سال جو بندہ اتنا زیادہ برے کام کریگا تو صحت بھی تو نہیں رہے گی۔ خود بیماری میں مبتلا ہو گیا، کمزور ہو گیا، حتیٰ کہ وہ دن بھی آیا کہ اس نے اپنی رہائش کا مکان بھی بیچ دیا، اب وہ بھی لگ گیا۔ جب رہائش کا مکان بھی بک گیا۔ دربدر پھرتا ہے۔ حتی کہ وہ وقت آیا کہ جہاں اس کے باپ نے کھڑے ہو کر تکبر کا بول بولا تھا اور یہ کہا تھا کہ میں پریشان ہوتا ہوں کہ لگاؤں گا کہاں پہ، میری تو چالیس نسلوں کو بھی کمانے کی ضرورت نہیں۔ اسی چوک پر بیٹا کھڑے ہو کر لوگوں سے بھیک مانگا کرتا تھا۔ جو پروردگار دینا جانتا ہے وہ لینا بھی جانتا ہے۔ ہم اگر نعمتوں کی ناقدری کریں گے تو پروردگار ہم سے اپنی نعمتیں واپس لے لیں گے۔

تو ہم نعمتوں کی قدر دانی کرنا سیکھیں۔ ہماری ناقدری کی انتہا دیکھیے، رب کریم نے فرمادیا، مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔ انہوں نے قدر نہیں کی جیسی کہ کرنی چاہیے تھی اور ایک جگہ فرمادیا، يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ، حسرت ہے بندوں پر، مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ، اللہ اکبر! پہلے دور میں انبیاء کی ناقدری کی جاتی تھی۔ آج کے دور میں نبی ﷺ کی سنتوں کی ناقدری کی جاتی ہے دونوں ایک جیسے ہیں۔ ناقدرے ہیں ہم، قدر دانی نہیں کرتے۔

اللہ کے لیے گھر بار چھوڑ دینے کی قدر دانی:

اللہ رب العزت قدر دان ہیں اتنے قدر دان ہیں کہ ایک صحابی تھے عبداللہ رضی اللہ عنہ، اٹھتے جوان تھے۔ ذرا توجہ سے سنیے گا، اسلام قبول کرلیا۔ اپنی طرف سے تو چھپایا مگر چچا کو پتہ چل گیا، اس نے کہا عبداللہ! لگتا ہے تم تو مسلمان ہو چکے ہو۔ کہنے لگا ہاں! اس نے کہا یا اس گھر میں رہو یا اس گھر سے چلے جاؤ۔ کہنے لگا ایمان تو نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے کہا پھر گھر چھوڑ دو۔ گھر چھوڑ کر جانے لگے تو چچا کو غصہ آیا اس نے اتنا مارا جتنا جی چاہا اور اس

کے بعد کہا یہ کپڑے یہ بھی میں نے سلوا کر دیئے تھے یہ اتار دے۔ چنانچہ ابتدائی جوانی کی عمر تھی مگر اس نے بالکل بے لباس کر کے ان کو گھر سے دھکا دے دیا۔ جب بے لباس کر دیا جائے تو بندے کا دل تو چاہتا ہے کہ زمین کھلے میں اندر چلا جاؤں۔ ماں نے کسی حیلے سے اپنی ایک چادر پھینک دی کہ میرا بیٹا ستر چھپا لے۔ انہوں نے اس کے دو ٹکڑے کیے، ایک باندھ لیا ایک لپیٹ لیا۔ یہ وہ نوجوان تھا جو انتہائی خوبصورت تھا، یہ وہ نوجوان تھا جو قیمتی کپڑے پہنتا تھا اور لوگ اس کے حسن و جمال کی دوسروں کو مثالیں دیتے تھے آج دو چادروں میں لپٹا ہوا یہ گھر سے جا رہا ہے۔ سوچا کہاں جاؤں؟ دل نے کہا کہ جن کی خاطر گھر چھوڑا اب انہی کے در کو جا کے پکڑ لیتا ہوں۔ چنانچہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ عبداللہؓ اس حالت میں آئے، چادر میں لپٹے ہوئے ہیں ایک اوپر ڈالی ہوئی ہے، نبی ﷺ نے پہچان لیا

دونوں جہاں کسی کی محبت میں ہار کے
وہ آ رہا ہے کوئی شب غم گزار کے

آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں، بال بکھرے ہیں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اے اللہ کے نبی ﷺ! چچا نے گھر سے نکال دیا۔ اب میرے لیے تو آپ ہی کا در ہے، میں حاضر خدمت ہو گیا ہوں۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا اصحاب صفہ کے ساتھ تم رہنا شروع کر دو۔ چونکہ قربانی بڑی تھی اس لئے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اتنی سمائی اتنا جذبہ آیا۔ یہ مسجد نبوی کے دروازے پر کبھی کبھی زور سے اللہ اللہ اللہ کہنا شروع کر دیتے۔ عمرؓ نے دیکھا ان کی طبیعت میں انتظام کی صفت بہت زیادہ تھی۔ انہوں نے ڈانٹ پلا دی کہ اپنے جذبات پہ قابو کیوں نہیں پاتے۔ نبی ﷺ کو پتہ چلا تو فرمایا عمرؓ عبداللہ کو نہ ڈانٹنا وہ جو کرتا ہے اللہ کی محبت میں کر رہا ہوتا ہے۔ سبحان اللہ! جہاد کے لیے نبی ﷺ تشریف لے گئے، عبداللہؓ بھی ساتھ چلے گئے۔ راستے میں ایک جگہ بیمار ہو

گئے نبی ﷺ کو پتہ چلا کہ عبداللہ بیمار ہیں، نبی ﷺ ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہمراہ عیادت کے لیے تشریف لائے تو یہ ان کی زندگی کے آخری لمحات تھے۔ روایت میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے عبداللہؓ کے سر کو اپنی گود مبارک میں رکھ لیا، سبحان اللہ! جن کو گھر سے نکال دیا گیا اب آخری وقت میں اللہ رب العزت اپنے اس پیارے بندے کو محبوب ﷺ کی گود میں موت دے رہے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ وہ صحابی ہیں جن کو اس حالت میں موت آئی کہ محبوب کے چہرے پر ان کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی ہے تمنا یہی آرزو ہے

محبوب ﷺ کی گود میں سر ہے نبی ﷺ ان کو دیکھ رہے ہیں اور اس حال میں ان کی روح اللہ کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے۔ جب ان کی وفات ہو گئی نبی ﷺ نے فرمایا کہ عبداللہ کو نہلا دیا جائے۔ جب ان کو نہلایا گیا تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی ﷺ اپنی چادر جو اوڑھا کرتے تھے وہ چادر بھیجی فرمایا کہ عبداللہ کو اس چادر میں کفن دینا۔ سبحان اللہ، مالک! آپ کی قدردانی کیسی کہ جس جسم کو آپ کے لیے بے لباس کیا جا رہا ہے آج اس جسم کو آپ اپنے محبوب ﷺ کی چادر سے چھپا رہے ہیں۔ سبحان اللہ، محبوب ﷺ کی چادر سے اس جسم کو لپیٹا گیا، پھر جب دفن کرنے کا وقت آیا، سینکڑوں صحابہ موجود تھے مگر شریعت کا حکم ہے کہ جو میت کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو افضل ہے کہ وہ قبر میں اترے۔ اب ایسے موقع پر، سبحان اللہ! نبی ﷺ نے فرمایا عبداللہ کو قبر میں اتارنے کے لیے میں اس کی قبر میں نیچے جاؤں گا۔ نبی قبر میں اترتے ہیں، اب وہ عبداللہ کو ہاتھوں میں لے کے اور ان کو زمین پر لٹا دیتے ہیں اور لٹا کر ایک بات فرماتے ہیں، اس بات کو عمرؓ نے سنا تڑپ اٹھے۔ ساری زندگی یاد رکھی۔ لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ نبی ﷺ نے ایک بات کہی سن کے میرا دل چاہا کاش آج عمرؓ کی لاش ہوتی

جس کو اللہ کے محبوب یہاں لٹارہے ہوتے ۔لوگوں نے پوچھا کہ آخر اللہ کے محبوب ﷺ نے کیا کہا کہ آپ بھی امیر المومنین تمنا کرتے ہیں، کہ آپ کے بارے یہ کلمات کہے ہوتے ۔فرمایا کہ جب نبی ﷺ نے عبداللہ کو زمین پہ لٹادیا تو دعا کی ''اللہ میں عبداللہ سے راضی ہوں مالک تو بھی عبداللہ سے راضی ہوجا'' سبحان اللہ!! اللہ کی قدردانی دیکھیے ۔وہ مالک کتنے قدردان ہیں، اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہیں۔

اللہ کے احسان کی قدردانی کیجیے:

لہٰذا کو مالک اتنا مہربان ہے ہمیں چاہیئے کہ ہم اس کے احسان کی قدرردانی کرتے ہوئے ، ہم بھی شریعت وسنت کے مطابق اپنی زندگی کو بنالیں ۔وہ پروردگار بندے کو اپنے در سے خالی رد نہیں کرتا۔ وہ اپنے در سے جو ہے پیچھے نہیں دھکیل دیتا، وہ بڑا مہربان ہے۔ اس لیے قرآن پاک میں بڑے عجیب انداز سے فرمایا،

یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ

اے انسان تجھے رب کریم سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا۔ کیوں دھوکے میں پھرتا ہے ، دنیا کے پیچھے بھاگ رہا ہے ،لوگوں سے دل لگاتا پھر رہا ہے ۔فانی حسن کے پیچھے بھاگا پھر رہا ہے۔ ارے چند ٹکوں کی متاع کے پیچھے بھاگنے والے تیرا کریم پروردگار تیری طرف متوجہ ہے اور چاہتا ہے کہ تو قریب ہوجائے ۔مگر وہ اتنا قدردان ہے، میرے بندے تو اگر ایک بالشت آئے گا تیرا پروردگار دو بالشت تیری طرف چلے گا، اگر تو ایک ہاتھ آئے گا اس کی رحمت دو ہاتھ آئے گی۔ لَئِنْ اَتَیْنِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوُلًا ۔میرے بندے اگر تو میرے در کی طرف چل کر آئے گا تو میری رحمت تیری طرف دوڑ کر جائے گی۔

کریم آقا کے در پہ آجائیے:

تیرا کریم پروردگار تو متوجہ ہے کہ تو کب توبہ کرتا ہے کب اپنے رب سے صلح کرتا ہے

کب گناہوں کو چھوڑتا ہے، کب شیطان کے در کو چھوڑ کر اپنے رب رحمان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ جیسے ماں پیار سے اپنے بچے کو کہتی ہے جو ماں سے بولتا نہیں، او میرے بیٹے! ماما سے ناراض نہیں ہوتے، امی سے ناراض نہیں ہوتے، تیری ماں تجھ پر کتنی شفیق ہے۔لگتا ہے اسی انداز میں فرماتے ہیں۔ یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۔اے انسان تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس نے دھوکے میں ڈال دیا۔ لہٰذا اگر کسی بندے کی نوے سال کی عمر ہوجاتی ہے، اب اس کی کمر جھک گئی ، اب اس کے اندر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا، پیٹ میں آنت نہیں، منہ میں دانت نہیں، اب لوگ اس کی بات سننا گوارا نہیں کرتے۔ کھانستا رہتا ہے ،لوگ اس کو اپنی جگہ سے اٹھا دیتے ہیں، گھر میں کوئی قدردانی کرنے والا نہیں، کوئی پاس بٹھانے والا نہیں۔ اب اس کی کوئی ویلیو نہیں رہتی اس وقت اگر وہ محسوس کرتا ہے، میں نے اب تک گناہ کیئے، مالک کو ناراض کیئے رکھا میں اب اپنے مالک کو راضی کرلیتا ہوں اس سو سال کی عمر میں اگر وہ لاٹھی کے سہارے کپکپاتا ہوا اللہ کے در پر حاضر ہوجاتا ہے اور اللہ سے معافی مانگ لیتا ہے۔ مالک! میں بھولا رہا، اللہ بڑی دور سے آیا ہوں بڑی دیر سے آیا ہوں میں نے کوئی نمازیں نہیں پڑھیں، میں نے زندگی گناہوں میں گذاردی، اللہ جوانی لٹا بیٹھا، مال لٹا بیٹھا، حسن وجمال زائل ہوگیا، اللہ! اب تو کوئی میری بات سنتا بھی نہیں، دنیا میں میرا کوئی اپنا نہیں ، اللہ! اس حال میں تیرے سامنے آیا ہوں رب کریم اس سے پوچھتے نہیں میرے بندے اب کیا لینے آئے ہو، تمہارے پاس کیا بچا ہے، پروردگار نہیں پوچھتے۔ فقط اس کے آنے کی قدردانی کرتے ہیں ۔میرے بندے تو چل کے آگیا ہم تیرے چل کے آنے کو قبول کر کے فقط تیرے گناہوں کو ہی معاف نہیں کرتے بلکہ ہم اتنے کریم ہیں تیرے کیے ہوئے گناہوں کو تیری نیکیوں میں تبدیل فرمادیتے ہیں۔ وہ اللہ رب العزت اتنا قدردان ہے اتنا مہربان ہے۔ اس مہربان آقا کو منالیجیے اور اب تک جتنی بھی خطائیں کی ہیں ان کی

معافی مانگ لیجیے ۔اس لئے علماء نے کتابوں میں مثال لکھی کہ ایک بت پرست تھا۔ پریشان حال ہوکر ساری رات اپنے بت سے دعائیں مانگتا رہا یا صنم! یا صنم! پکارتا رہا (صنم بت کو کہتے ہیں) مگر کوئی بات نہ بنی۔حتیٰ کہ اونگھ آنے لگی۔اونگھ میں اس کی زبان سے نکل گیا یا صمد! یا صمد!۔صمد اللہ رب العزت کا نام ہے جیسے ہی اس نے کہا یا صمد!، اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی۔ پروردگار عالم نے فرمایا لَبَّیْكَ یَا عَبْدِیْ ، میرے بندے کیا چاہتا ہے ۔جب پروردگار نے فرمایا، فرشتے حیران ہیں پروردگار عالم! بت پرست تھا ساری رات بت کے نام کی تسبیح جپتا رہا، اس نے غفلت میں یا صمد کہہ دیا اللہ! آپ متوجہ ہو رہے ہیں۔ پروردگار نے فرمایا، بت پرست تھا ساری رات بت کی پرستش کرتا رہا اس نے جواب نہ دیا، اونگھ میں اس نے مجھے پکارا اگر میں بھی جواب نہ دیتا پھر مجھ میں اور اس بت میں کیا فرق رہ جاتا۔ جو پروردگار اتنا کریم ہے اس کریم آقا کے در پہ آجایئے اس کا پیغام ہے

یَآاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ

اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس نے دھوکے میں ڈال دیا۔ اللہ رب العزت ہمیں اس دھوکے سے نکلنے کی توفیق عطا فرمائے ، تاکہ ہم گناہوں سے توبہ کرکے اللہ رب العزت کے شکر گذار اور فرمانبردار بندوں میں شامل ہوجائیں۔

واخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

قربانیاں

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓـؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْآخِرَةِ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ (فصلت)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ○
وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

دارالعمل:

دنیا دارالعمل ہے۔آخرت دارالجزا ہے۔انسان اس دنیا میں اپنے رب کی پہچان کے لیے پیدا ہوا۔اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے پیدا ہوا۔مشقت کے لیے پیدا ہوا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ

تحقیق ہم نے انسان کو مشقت کے لیے بنایا، محنت کے لیے بنایا، تو دنیا میں انسان کھیتی کرے گا اور آخرت میں اس کا پھل اٹھائے گا۔ جب انسان کھیتی کررہا ہوتا ہے تو اس کو محنت کرنی پڑتی ہے جو کھیتی کے وقت میں سوتا رہے۔ تو پھل کھانے کے وقت میں حسرت اور افسوس کرتا ہے، اسی طرح جو انسان دنیا میں محنت کرے گا آخرت میں خوش

ہوگا، اب جو دنیا میں چین کی بنسی بجائے گا اور غفلت کی نیند سوتا رہے گا، آخرت میں حسرت کے ہاتھ ملتا رہے گا۔

زندگی کی اہمیت:

زندگی کی اہمیت کو پہچاننے کی ضرورت ہے کہ ہمارے لیے ہر دن کتنا قیمتی ہے، وقت کی رو بہہ رہی ہے، وقت ہمارے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔ جو دن آج ہماری زندگی میں غروب ہوگا وہ موت تک دوبارہ کبھی طلوع نہیں ہوگا۔ تو وقت کو قیمتی بنانے کی اور اللہ رب العزت کے رضا والے کاموں میں استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ بالخصوص علماء طلباء جن کے کندھوں پر ذمہ داریاں زیادہ ہیں، جنہوں نے پوری قوم کا وزن اپنے کندھوں پر اٹھانا ہوتا ہے، ان کے لیے وقت کی اہمیت کا سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ آج کے دور میں فتنے فساد اتنے عام ہوگئے ہیں کہ ایمان کی حفاظت کرنا ایک مسئلہ بن گیا ہے۔

قربِ قیامت کی نشانی:

قرب قیامت کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تو دیکھے گا ایک آدمی صبح کے وقت ایمان والا ہوگا اور جب شام سونے کے لیے بستر پر جائے گا تو ایمان سے خالی ہوگا۔ اور یہ فتنے وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے چلے جا رہے ہیں، طبیعتیں آزاد ہو رہی ہیں۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ اسے من مرضی کا موقع ملے۔ اسی لیے آئمہ کی تقلید بوجھ نظر آتی ہیں، نفس آزادی چاہتا ہے۔ دین میں سہولت کے نام پر آج ہر طالب علم اجتہاد کرنے کے لیے تیار ہے۔ ایسے وقت میں علمائے حق کا وقت کی اہمیت پہچاننا انتہائی اہم کام ہے۔ یہ دنیا محنت کا میدان ہے، کام کی جگہ ہے۔ آرام کی جگہ اللہ نے جنت کو بنایا ہے۔

کام، کام، کام:

اسی لئے جتنے بھی اہل حق دنیا میں گزرے ان کی زندگیوں کو دیکھیں کام ...... کام

...... کام ...... بس تھوڑا آرام۔ اور وہ آرام بھی اس نیت سے کرتے تھے کہ تازہ دم ہو کر دوبارہ کام کر سکیں۔ حضرت مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ میں کبھی فرصت کے وقت میں دھوپ میں بیٹھ کے گنا چوسوں گا۔ یہ خواہش دل میں رہی کہ جب کبھی فرصت ہوئی تو دھوپ میں بیٹھ کر گنا چوسوں گا لیکن اپنی زندگی کے سولہ سال ان کو دھوپ میں بیٹھ کر گنا سوچنے کی فرصت نہ ملی۔ اتنی مصروفیت رہتی تھی، وقت فارغ ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس عاجز نے جتنے اکابرین کی صحبت میں وقت گزارا، چند باتیں جو سب میں دیکھی گئیں ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ ہم نے اکابر کو کبھی فارغ نہیں دیکھا۔ کبھی زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ ان کو فارغ دیکھا گیا کہ اب آج کوئی کام نہیں، ہر وقت کسی نہ کسی کام میں لگے رہتے تھے۔ بلکہ جہاں دو کام کر رہے تھے وہاں تیسرا کام اور شامل کر لیتے تھے، اگر تین کر رہے ہوتے تھے تو چوتھا شامل کر لیتے تھے۔ مشغولیت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی تھی۔ لوگوں کی عمر بڑھتی ہے تو ان کے کام گھٹتے چلے جاتے ہیں، ہمارے اکابر کی عمر بڑھتی ہے تو ان کی ذمہ داریاں اور کندھوں کا بوجھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ علمی کام، روحانی کام ہے ہی ایسا۔ نبی ﷺ کی مبارک زندگی، یہ سب سے زیادہ مصروف و مشغول زندگی ہے۔ اتنے تھوڑے وقت میں، اتنے تھوڑے ذرائع کے ساتھ، اتنا بڑا انقلاب دنیا میں پیدا کر دینا، اس کی تاریخ میں کہیں کوئی مثال نہیں ملتی۔ تو وقت کی اہمیت کو پہچاننا اور دین کی خاطر ہر محنت مجاہدہ کے لیے تیار رہنا، یہ مومن کی شان ہوتی ہے۔ اس راستے میں انسان کو قربانیاں دینی ہوتی ہیں۔

ایک اصول:

اصول یہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ پہ قربان کیا جاتا ہے۔ آپ دیکھیے زمین کے اندر جتنی معدنیات ہوتی ہیں یہ فصلوں پہ قربان ہوتی ہیں۔ جتنی فصلیں زمین سے نکلتی ہیں زمین کی معدنیات ان کی غذا بنتی ہیں۔ تو معدنیات نباتات پہ قربان۔ نباتات حیوانات پہ

قربان۔ چارہ کاٹ کر بکریوں کو، گائے بھینسوں کو کھلا دیتے ہیں۔اب یہ بکریاں، بھیڑ بکریاں، یہ انسان پہ قربان کہ ان کی قربانی بھی دی جاتی ہے اور ان کا گوشت انسان استعمال کرتا ہے۔تو معدنیات نباتات پہ قربان، نباتات حیوانات پہ قربان، حیوانات انسان کے لیے قربان اور انسان اپنے رب رحمان کے لیے قربان!!!۔اس لیے مومن کی زندگی کا بنیادی مقصد اللہ کے نام پہ زندگی کو گزار دینا ہے۔

اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

عشق ووفا کی داستانیں:

تو مقصد زندگی ہم سب کا ایک ہے کہ ہم دین کی خاطر پوری زندگی گزارنے والے بن جائیں۔ یہ عشق ووفا کی داستانیں حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئیں اور قیامت تک رہیں گی۔ یوں سمجھیں کہ یہ ایک قافلہ ہے جو اللہ رب العزت کی رضا والی منزل کی طرف جارہا۔اس میں انبیاء کرام بھی ہیں، ان کے صحابہ بھی ہیں، علمائے کرام بھی ہیں، صلحاء بھی ہیں۔ ہر دور ہر زمانے کے وہ نیک متقی لوگ جو اپنی زندگیاں دین کے لیے گذار گئے وہ سب اس قافلے میں چلنے والے ہیں۔اپنے اپنے وقت میں قربانیاں پیش کرتے رہے، رات آئی تو نیند کی قربانی، مصلے پہ کھڑے عبادت میں رات گذار دی، دن آیا تو اپنی سہولیات زندگی کی قربانی، چٹائی پہ بیٹھ کر حدیث کی خدمت کرتے ہوئے پوری زندگی گزار دی۔معمولی کھانا کھایا اور اپنے وقت کو دین کے اوپر لگایا۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ بیمار ہوئے تو حکیم نے کہا کہ مجھے اس بیمار کا قارورہ چیک کرنا ہے کہ بیماری کا اندازہ لگایا جاسکے۔تو جب اس نے قارورہ چیک کیا (فضلہ پاخانہ چیک کیا) تو وہ کہنے لگا کہ اس انسان نے تو کبھی سالن کھایا ہی نہیں۔تو شاگرد نے آ کر امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حکیم صاحب کہہ رہے ہیں کہ اس بیمار نے تو لگتا ہے کبھی سالن ہی نہیں کھایا۔تب فرمانے لگے کہ ہاں پچھلے بیس سال سے مجھے کبھی سالن کھانے کی نوبت نہیں آئی۔تو حضرت وقت کیسے گزارتے ہیں؟ فرمانے لگے کہ روزانہ سات بادام کھالیتا ہوں اور ان کے اوپر پورا دن گزار لیتا ہوں۔سات بادام کھا کر پورا دن اس پر گزار لینا۔اتنی سادہ زندگی؟

اس لیے علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے وقت کے سلف صالحین کو بعض اوقات ایک ہفتے کے بعد بیت الخلاء جانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔اور اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ اگر کسی کو ہر دن میں ایک مرتبہ بیت الخلاء جانے کی حاجت پیش آتی تو ان کے گھر والے حکیم کے پاس بھیجتے۔ماں اپنے بیٹے کو حکیم کے پاس بھیجتی کہ جی اس کو دوائی دیجیے میرے بیٹے کا پیٹ ٹھیک نہیں ہے۔اس کو روزانہ ایک مرتبہ بیت الخلاء کی ضرورت پیش آتی ہے۔اور آج جتنی نمازیں ہیں اس سے زیادہ مرتبہ ہم روزانہ بیت الخلاء کی زیارت کررہے ہوتے ہیں۔

تو ہمارے اکابرین نے اپنی زندگی کے وقت کو اس دین کی خاطر قربان کیا۔ہر دور اور ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق انہوں نے قربانیاں دیں۔یہ قربانیاں سب سے زیادہ انبیاء کرام نے دیں۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا بلکہ ان سے پوچھا گیا،

ای الناس اشدا البلاء

کہ محبوب ﷺ کون سے لوگ ہیں جن پر سب سے زیادہ دنیا میں بلائیں آتی ہیں؟

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا' الانبیاء، انبیاء پر سب سے زیادہ امتحانات آتے ہیں۔ **ثم الا مثل فا الا مثل**، پھر جن کی زندگی انبیاء سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے ان کو۔پھر جن کی ان کے ساتھ ہے ان کو۔تو یہ راستہ ہے، ہی قربانیوں کا راستہ۔

اچھا یہاں ایک نکتہ ہے چونکہ یہ ذکر وسلوک والے احباب کی محفل ہے تو ایک نکتہ یہ

بھی ذکر کرتے چلیں طلباء کے لیے۔ اہل حق پر آخر پریشانیاں مصیبتیں کیوں آتی ہیں اتنی زیادہ؟...... مخلوق کیوں ان کے پیچھے پڑ جاتی ہے؟...... کیوں ان کا جینا تنگ کر دیتی ہے؟...... کیوں ان سے خدا واسطے کا بیر رکھتی ہے؟۔ وہ تو کسی کو کچھ نہیں کہہ رہے ہوتے مگر حاسدین ان کے سب سے زیادہ، دشمن سب سے زیادہ تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ ہمارے اکابرین نے، مشائخ نے اس کی وجہ سمجھائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو انسان اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے یہ قرب اس کو تبتل کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتا۔

تبتل کسے کہتے ہیں؟

تبتل کہتے ہیں مخلوق سے کٹنا، اللہ سے جڑنا۔ جب تک مخلوق سے دل نہیں کٹے گا تب تک اللہ تعالیٰ سے نہیں جڑے گا۔ مخلوق سے کٹنے کا یہ مطلب نہیں کہ بیوی بچے دوست احباب سب سے ہٹ کے کسی غار کے اندر زندگی گزار دی جائے نہیں۔ دل کے تعلقات جو خلاف شریعت ہوتے ہیں ان کو توڑنا اور ان کو شریعت کے مطابق بنالینا اس کو تبتل کہتے ہیں۔ جس کے ساتھ بھی تعلق ہو شریعت کے مطابق ہو، حدودِ شریعت سے ہٹ کر کوئی تعلق نہ ہو۔ ہمارے دلوں کے اندر الٹی سیدھی نفسانی خواہشات، تعلقات ہوتے ہیں ان کو توڑنے کی ضرورت ہے۔ تو جس بندے نے مخلوق سے نظر ہٹالی اور اپنے خالق کے اوپر جمالی اس بندے کو تبتل نصیب ہوگیا۔ مخلوق کے ساتھ معاملات شریعت کے مطابق رکھے مگر اپنی نگاہیں، اپنی امیدیں اپنے رب سے لگائے، غیر سے امید نہ لگائے۔

؎ بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

تو نگاہیں اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر اسباب پر آجائیں، مخلوق پر لگ جائیں اسی کو تو منع کیا گیا۔ تو جب تک اسباب سے نگاہیں ہٹ کر مسبب الاسباب تک نہیں جائیں گی...... مخلوق سے نگاہیں ہٹ کر، امیدیں ہٹ کر خالق کی طرف متوجہ نہیں ہوگی تب تک انسان کو تبتل

نصیب نہیں ہوگا۔ تو جو انسان مخلوق سے کٹے گا تب جا کر اللہ تعالیٰ سے جڑے گا۔ تو مخلوق سے قلبی طور پر کٹنا اور اللہ تعالیٰ سے جڑ جانا اس کو تبتل کہتے ہیں۔

اس لیے فرمایا کہ ذکر کو اس نکتے تک پہنچاؤ کہ مخلوق سے تعلق کٹ جائے، اللہ سے جڑ جائے، وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ، ذکر کرا پنے رب کے نام کا، وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف تم تبتل اختیار کرو۔ آج ذکر اتنا نہیں کیا جاتا کہ تبتل نصیب ہو۔ اس لئے اثرات بھی نظر نہیں آتے۔ اسی لیے ہر طالب علم کے دماغ میں مخلوق بھری پڑی ہے۔ اتنی خواہشات حاوی ہوجاتی ہیں کہ بیٹھے حدیث پاک کا درس سن رہے ہیں اور ذہن کے اندر ایک ٹیپ گناہوں کی چل رہی ہے۔ نماز پڑھ رہے ہیں اور دماغ کے اندر خلاف شرع وساوس کی ٹیپ چل رہی ہے۔ دل مخلوق میں پھنسا ہوا ہے۔ جب نکلے گا اس دلدل سے تب اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذت کا اس کو پتہ چلے گا۔ تو یہ حاسدین مخالفین اہل حق کے کیوں زیادہ ہوتے ہیں سوال یہ ذہن میں پیدا ہوتا ہے، تو ہمارے مشائخؒ نے فرمایا کہ کیوں کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ سے واصل ہونا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مخلوق کی طرف سے ایسی تکلیفیں پہنچاتا ہے تاکہ مخلوق سے سو فیصد منقطع ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کا جڑنا آسان ہوجائے۔ تو اس لیے مخلوق کی طرف سے تو یہ معاملہ پیش آئے گا۔ اب اگر کوئی ہر وقت مخلوق کا ہی شکوہ کرتا پھرے کہ جی میں مدرسے کا مہتمم ہوں فلاں ہمارا حاسد ہے۔ شکوہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہونگے ہی سہی، کہ جی میں خطیب ہوں اور فلاں میرا بدخواہ ہے۔ ہونگے ہی سہی۔

فضل وکمال اور حاسدین لازم وملزوم:

تو اہل حق کو مخلوق کے شکوہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہاں!!! اگر کسی کو یہ تکالیف نہ پہنچیں تو یہ فکر کی بات ہے کہ یہ کیسا اہل حق ہے کہ جس کو اس قسم کے حاسدین اور مخالفین کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا۔ حضرت خواجہ معین دین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ ان

کی خدمت میں ایک خادم تھا اور وہ جس کسی سے سنتا وہی ان کی تعریفیں کرتا جس کسی سے سنتا وہی ان کی تعریفیں کرتا۔ اس کے دماغ میں ایک خیال بیٹھ گیا کہ ہم نے تو سنا کہ اہل حق کے مخالفین ہوتے ہیں یہ بڑے شیخ ہیں لیکن جدھر جاؤ سب تعریفیں کرنے والے، سب تعریفیں کرنے والے۔ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ بات ڈال دی، القا کر دی کہ اس کے دل میں یہ وسوسہ ہے۔ تو حضرت نے ان کو اپنے ہمسائے کے گھر کوئی چیز لینے بھیج دیا، تو جب وہ چیز لینے کے لیے گیا کہ جی مجھے فلاں نے بھیجا ہے۔ تو اس نے تو پہلے اتنی بڑی بڑی دو چار ان کو باتیں سنائیں کہ یہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔ اس نے کہا کہ جی مجھے یہ بتائیں کہ کبھی آپ کو انہوں نے کوئی تکلیف پہنچائی؟ اس نے کہا نہیں۔ کبھی کوئی خلاف شرع معاملہ ان کا زندگی میں دیکھا؟ کہنے لگا نہیں۔ اس نے کہا آپ کو مخالفت کس وجہ سے ہے۔ کہنے لگا مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ لوگ ان سے اتنی محبت کیوں کرتے ہیں۔ اب بتاؤ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو خدا واسطے کا بیر ہوتا ہے۔ تو اہل حق کے مخالفین کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ اس کائنات میں درجے والے، اللہ تعالیٰ کے قرب والے سیدنا رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اور ان کے حاسدین بھی سب سے زیادہ، قرآن پاک کی آیت اتری، وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ اسی طرح جو فضل وکمال میں جتنا بلند ہوگا اس کے حاسدین اتنے زیادہ ہونگے۔

آپ خود غور کیجیے آئمہ اربعہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین سب سے زیادہ ہیں۔ آج کل کے جو بے لگام لوگ ہیں، ان کی زبان سے آپ کبھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بات نہیں سنیں گے، وہ بھی امام فقہ ہیں۔ مجتہد فی الشرع ہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بات نہیں سنیں گے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بات نہیں سنیں گے۔ ان کی تنقید کا نشانہ اگر کوئی ہوگا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ۔ اس لیے فضل وکمال میں جو جتنا اونچا ہوگا اس کو اتنے ہی حاسدین زیادہ پیش آئیں گے۔ تو یہ تو درمیان

میں ایک بات آ گئی کہ اہل حق کے مخالفین کیوں ہوتے ہیں۔ اس لیے کی ان کی نظر مخلوق سے بالکل ہی اٹھ جائے۔ اپنی طرف سے وہ سب کے ساتھ خیر کا معاملہ جب کرتے ہیں اور خیر کے بدلے میں پھر مخلوق سے جب وہ برائی دیکھتے ہیں، تو اب نظر سو فیصد ہٹ جاتی ہے، کٹ جاتی ہے اور نظر آتا ہے کہ اللہ کے سوا میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ جب یہ کیفیت حاصل ہوتی ہے، تب ان حضرات کو اللہ رب العزت کا کامل وصل نصیب ہوتا ہے۔

؎ تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

جتنے مخالفین زیادہ ہوتے ہیں اللہ کے ہاں پھر اتنا ہی مقام بڑھتا چلا جاتا ہے تو علماء کو ان باتوں کے پیچھے نہیں لگنا چاہئے کہ ہمارے پیچھے فلاں کیا کر رہا ہے، فلاں کیا کہہ رہا ہے۔ واحد اللہ کے لیے کیجیے۔ نیکی کر دریا میں ڈال۔ اللہ کے لیے کر رہے ہیں مخلوق سے ہم تعریف نہیں چاہتے یہ تو جب توقعات مخلوق سے وابستہ ہوتی ہیں اور پھر آگے سے کوئی تعریف نہیں کرتا تو بندے کو پھر پریشانی ہوتی ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ دیکھو فلاں مخالفت کرتا ہے اور جن کی نظر ہوتی ہی نہیں مخلوق پہ، ان کو شکوے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اس لیے کہ توقعات ہی نہیں مخلوق سے، تو مخلوق سے توقعات کو توڑ لیجیے۔

اہل حق اور قربانیاں:

تو اہل حق کو اس دنیا میں اللہ کی خاطر قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ سب سے زیادہ قربانیاں انبیاء کرام نے ادا کیں۔ انہوں نے بھی اور اس کے بعد جو ان کے صحبت یافتہ تھے، صحابہ تھے انہوں نے قربانیاں دیں۔ پہلی امتوں نے بھی قربانیاں دیں اور اس امت کے صحابہ کرام نے بھی دیں۔ لیکن چونکہ اس امت کے صحابہ کرام کا درجہ پہلی امتوں کے انبیاء کے بعد باقی سب لوگوں سے زیادہ اونچا ہے۔ ان کی قربانیاں بھی سب سے اونچی۔ یہ بھی عجیب بات ہے، انبیاء کرام کے بعد جتنی بھی مخلوق ہے اس میں نبی ﷺ کے صحابہ

کرام کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ اس لیے ان کی قربانیاں بھی سب سے زیادہ۔ پہلی امت کے علماء نے قربانیاں دیں مگر وہ کم تھیں۔ اور اس امت کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قربانیاں دیں وہ بہت زیادہ تھیں اور اس کی دلیل قرآن مجید سے ملتی ہے۔

صحابہ کرام کی قربانیاں:

قرآن مجید میں پہلی امتوں کی قربانیوں کا تذکرہ ہوا۔ وہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو آزمائشوں میں ڈالا گیا مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا ان کو جھنجھوڑا گیا اتنا جھنجھوڑا گیا، حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ، (البقرة: ۲۱۴) حتی کہ رسول اور جوان کے ساتھ ایمان والے تھے پکار اٹھے اللہ کی مدد کب آئے گی۔ اتنا جھنجھوڑا گیا، تو زلزلوا کا لفظ ان کی آزمائشوں کی شدت بتانے کے لیے آیا کہ کتنا جھنجھوڑا گیا۔ لیکن صحابہ کرام پر جو آزمائشیں آئیں وہ ایسی تھیں کہ اللہ رب العزت قرآن میں ان کی آزمائشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان حضرات کو ہم نے جھنجھوڑا اور کتنا جھنجھوڑا، وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا (الاحزاب:۱۱) اب دونوں کا تذکرہ دیکھیے، ان کی قربانیوں کے لیے فقط ایک لفظ زلزلوا کا استعمال ہوا اور صحابہ کرام کی قربانیوں کے لیے تین لفظ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۔ تو یہ تین لفظ بتا رہے ہیں کہ صحابہ کی قربانیاں پہلی امت کے علماء کی قربانیوں سے بہت زیادہ تھیں۔ درجے میں بھی پھر اتنے زیادہ۔ جتنی قربانیاں ہونگی اتنے زیادہ درجات ہونگے۔ تو اس لیے یہ اہل وفا اور اہل حق کی داستانیں یہ تو پوری تاریخ کے اندر ہمیں نظر آتی ہیں۔ نبی ﷺ نے دین کی خاطر کتنی قربانیاں دیں ہم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابولہب کے گھر جو چچا تھا نبی ﷺ کا، نبی ﷺ دین کی دعوت دینے کے لیے چار ہزار مرتبہ تشریف لے گئے چچا کے گھر۔ تو قربانیاں دیں، دین کی خاطر۔ پھر صحابہ کرام نے بھی قربانیاں دیں اور ان قربانیوں میں وہ وقت بھی آیا جب جان کے نذرانے دینے پڑے تو بخوشی انہوں نے

جان کے نذرانے پیش کیے۔ صحابہ کرام کے دلوں کی چاہتیں ہوتی تھیں کہ ہماری جان اللہ رب العزت کے لیے قبول ہو جائے۔ تمنائیں کرتے تھے، دعائیں مانگتے تھے۔

چنانچہ اس کی دلیل حدیث پاک سے ملتی ہے کہ احد کا میدان ابھی گرم نہیں ہوا۔ فوجیں پہنچی ہیں اگلے دن جنگ ہونی تھی۔ ایک نوجوان دوسرے نوجوان کو کہتے ہیں، میں نے نبی ﷺ سے سنا کہ میدان جہاد میں مجاہد کی دعا قبول ہوتی ہے۔ وہ کہنے لگا ہاں! میں نے بھی سنا ہے۔ کہنے لگا کیوں نہ میں دعا مانگوں آپ آمین کہیں، آپ دعا مانگیں میں آمین کہوں گا۔ اب یہ دونوں دوست ایک کنارے پر ہو گئے۔ ایک نے دعا مانگی، اے اللہ! میرا مقابلہ ایسے دشمن سے ہو جو مجھ پہ وار کرے میں اس پر وار کروں، حتیٰ کہ اس دشمن کو میں قتل کر کے ایک بڑے دشمن خدا کو مارنے کا اعزاز حاصل کر سکوں۔ دوسرے نے کہا آمین!۔ اب ان کی باری تھی وہ دعا مانگنے لگ گئے، اے اللہ! میرا مقابلہ کسی جری دشمن سے ہو وہ مجھ پہ وار کرے میں اس پہ وار کروں اے اللہ! اتنی ہمارے درمیان آپس میں جنگ ہو کہ بالآخر وہ وار کرے اور مجھے تیرے راستے میں شہید کر دے، پھر وہ میری آنکھوں کو نکال دے اور میرے کانوں کو کاٹ لے اور اے اللہ! قیامت کے دن میں اسی حال میں آپ کے سامنے پیش کر دیا جاؤں اور آپ قیامت کے مجھ سے پوچھیں میرے بندے تیری آنکھوں اور تیرے کانوں کو کیا ہوا اور میں عرض کروں اے اللہ! میں یہ نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے آیا، یہ تمنائیں ہوتی تھیں کہ ہماری جان اللہ کے نام پہ قربان ہو جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تمنائے شہادت:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مکہ سے سفر کر کے مدینہ طیبہ تشریف لا رہے ہیں رات کا وقت ہے راستے میں پڑاؤ ڈالا۔ لیٹے ہوئے تھے اچانک آنکھ کھلی تہجد کا وقت تھا۔ چاند اس وقت اپنا نور برسا رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، قبولیت دعا کا وقت نظر آیا۔ جب آنکھ کھلی

چاروں طرف چاند کی چاندنی دیکھی اور ٹھنڈی ہوا دیکھی اللہ کی رحمت اترتی دیکھی تو اس وقت اٹھ کر بیٹھ گئے اور جی چاہا کہ میں اللہ سے اپنی زندگی کی حسرت بیان کردوں۔ میں دعا مانگ لوں جو میرے دل میں ہے۔ تو اس وقت تہجد کے وقت میں اٹھ کر یہ دعا مانگی

اللهم ارزقني شهادة في سبيلك اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت عطا فرما۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حسرت ہوا کرتی تھی۔ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ ہماری جان اللہ تعالیٰ کے راستے میں قبول ہو جائے۔ باقی قربانیاں تو چھوٹی ہوتی ہیں سب سے بڑی تو یہی ہوتی ہے نا کہ بالآخر بندہ اللہ کے راستے میں جان ہی دے دے۔ تو وہ حضرات ہر وقت اس کے لئے بھی تیار رہتے تھے۔

علماء حق کی شان:

تو یہ زندگی ہے ہی اس کام کیلئے کہ اگر یہ جان اللہ رب العزت کے ہاں قبول ہو جائے تو مومن کو تو ابھی یہ جان دینے کیلئے تیار ہونا چاہیے۔ یہ علماء حق کی شان ہے اور ان کا شروع سے ہی یہ وطیرہ رہا ہے۔ اس لئے وقت کے بڑے بڑے ظالم حکام نے علماء حق کے اوپر ظلم کے پہاڑ توڑے مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ جبل استقامت بن کر رہے اور انہوں نے دین کو اپنے سینے سے لگایا ہوا تھا۔ ہر دور اور ہر زمانے میں ان کو ڈرایا گیا اگر تم دین کو نہیں چھوڑو گے تو یہ ہو جائے گا۔ تمہارے اوپر مشکل بن جائے گی، تمہیں فنا کر دیا جائے گا۔ ختم کر دیا جائیگا۔ مگر انہوں نے دین کو اپنے سینے سے لگایا اور اس بات کو ثابت کر دیا کہ میں اپنی جان تو پیش کر سکتا ہوں مگر ایمان کو میں محفوظ کرنا چاہتا ہوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی قربانی:

اب دیکھئے دین اسلام کی ابتداء جو سال کی ہے وہ محرم سے شروع ہوتی ہے اور ذی الحجہ پر ختم ہوتی ہے۔ جو اسلامی سال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بارہ مہینے ہیں **ان عدة**

الشهور عند الله اثنا عشر شهرا۔ تو بارہ مہینے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہیں۔ اب ان بارہ مہینوں میں جو ابتداء ہے نا اسلامی سال کی وہ محرم ہے اور جو اختتام ہے وہ ذی الحجہ پر۔ محرم میں بھی قربانی ذی الحجہ میں بھی قربانی۔ محرم میں قربانی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پیش کی۔ دس محرم کا دن بنتا تھا جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے اندر ڈالا گیا قربانی پیش کی۔ ساری دنیا مخالف ہے اکیلے ایک طرف ہیں۔ آگ کے شعلے بلند ہوتے نظر آرہے ہیں اور ان کو ایک پینگ کے اندر بٹھا دیا گیا کہ آگ کے قریب جا بھی کوئی نہیں سکتا۔ اس لئے پینگ میں ڈال کے ان کو پھینکیں گے۔ اب جس بندے کو نظر بھی آرہا ہو اور پھر وہ حق کے اوپر قائم رہے یہ واقعی بڑی عظمت ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کو پینگ سے جھولے سے آگے کی طرف پھینکا گیا، جب پھینکا گیا حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس وقت فرشتے بھی ابراہیم علیہ السلام کی استقامت دیکھ کے حیران ہیں جبرائیل علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی خدمت میں عرض گیا اے پروردگار عالم! آپ کا عاشق صادق ہے آگ میں ڈالا جارہا ہے۔ اگر حکم ہو اور اجازت ہو تو میں اس کی مدد کیلئے جاؤں؟ فرمایا جاؤ! اگر وہ قبول کرتے ہیں تو جاؤ تو جبرائیل علیہ السلام اس وقت ان کے پاس آئے کہ جب وہ ہوا میں تھے یعنی ابھی جھولے سے چلے تھے اور آگ تک ابھی نہیں پہنچے تھے درمیان میں ہیں۔ یہ آکر ان سے کہتے ہیں کہ میں جبرائیل ہوں **الك حاجه**؟ آپ کو میری مدد کی ضرورت ہے؟ میں انبیاء کرام کی مدد کیلئے آتا رہا آپ کو میری مدد کی ضرورت ہے؟ تو ابراہیم علیہ السلام پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میری اس حالت کو جانتے ہیں کہ میں اس حال میں ہوں۔ کہنے لگے جانتے ہیں فرمانے لگے میرے لئے بس یہی کافی ہے کہ میرا پروردگار جانتا ہے کہ میں کس حال میں ہوں مجھے تیری ضرورت نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میں کس حال میں ہوں جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ظاہری اسباب کو بھی توڑ دیا اور جو عالم ملکوت سے مدد اترتی ہے اس سے بھی نظر ہٹالی اور اللہ پر نظر جمالی کہ میرے مالک کو پتہ ہے کہ میں کس حال میں ہوں مالک

کی رضا پہ راضی ہوں۔ اگر وہ پسند کرتے ہیں میں آگ میں جاؤں تو میں جانے کیلئے تیار ہوں اب اس وقت پروردگارِ عالم متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

قُلْنَا یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْم.

تو جن کی نگاہیں اللہ رب العزت کی ذات پر ہوتی ہیں وہ ہر چیز کی نفی کر دیتے ہیں۔ مخلوق کی۔ اسی کو توحید خالص کہتے ہیں کہ نگاہیں ہر طرف سے ہٹ جائیں اور کامل اللہ رب العزت کی ذات پر جڑ جائیں اور ذکر و سلوک میں یہی چیز سکھائی ہوتی ہے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان کہ جس کو اللہ رب العزت کا ایسا تعلق مل جائے۔ اس کی امیدوں کا مرکز اللہ رب العزت کی ذات بن جائے جب نگاہیں اللہ رب العزت کی ذات پہ جم جاتی ہیں پھر مخلوق کیا کر رہی ہے یا کیا کرنا چاہتی ہے؟ اس کی پرواہ نہیں رہتی۔ چنانچہ اس امت کے علماء نے دیکھئے اپنی جانوں کے نذرانے اللہ رب العزت کے سپرد کرنے کیلئے کیسی کیسی مثالیں قائم کر دی ہیں۔

ایک صحابیہ کا جذبہ جہاد:

ہم سمجھتے ہیں کہ شاید دین اسلام میں شہادت کا واقعہ فقط میدان کربلا میں پیش آیا نہیں! میدان کربلا میں پیش آیا مگر اس جیسے واقعات اگر آپ دیکھیں تو پوری اسلامی تاریخ اس پر بھری پڑی ہے۔ ایسی شہادتوں کے واقعات کہ بندہ حیران ہوتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں، حکم دیا کہ جہاد کیلئے تیاری کرو۔ مدینہ کے ایک گھر میں عورت بیٹھی رو رہی ہے کیوں؟ خاوند شہید ہو چکا ایک دودھ پیتا بچہ ہے اور کوئی مرد نہیں کہ جس کو تیار کر کے ساتھ بھیج سکے۔ رو رہی ہے کہ میں آقا کے حکم کی تعمیل کر نہیں سکتی میں کس کو تیار کر کے بھیجوں۔ رو رو کے جب طبیعت زیادہ بھر گئی تو اپنے بچے کو سینے سے لگا کر مسجد نبوی میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور اپنے بیٹے کو نبی علیہ السلام کی گود میں ڈال کر کہتی ہے، اے اللہ کے نبی ﷺ! میرے اس چھوٹے بچے کو جہاد کیلئے قبول کر لیجئے۔ نبی علیہ

السلام نے فرمایا کہ یہ چھوٹا بچہ کیسے جہاد کریگا؟ اے اللہ کے نبی ﷺ جس مجاہد کے ہاتھ میں ڈھال نہ ہو میرا بچہ اس کے حوالے کر دیجئے تاکہ جب میدان جنگ میں دشمن تیروں کی بارش برسائے تو وہ مجاہد میرے بچے کو آگے کر دے۔ تیروں سے بچنے کیلئے میرے بچے کو آگے کر دے۔ ماں کا دل دیکھئے جس قوم کی عورتوں کا یہ حال ہو پھر اس قوم کے مردوں کا کیا حال ہوگا؟ ان کے دل میں شجاعت کتنی ہوگی بہادری کتنی ہوگی۔

حضرت عمرو بن جموح ؓ کا جذبہ جہاد:

عمرو بن جموح ؓ پیش ہو جاتے ہیں، اے اللہ کے نبی ﷺ! میرے چار بیٹے بھی میدان احد میں جا رہے ہیں مگر میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں اپنے لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں چلوں پھروں مجھے بھی اجازت دے دیجئے۔ فرمایا' آپ معذور ہیں جس کی ٹانگ ٹھیک نہ ہو توازن برقرار نہیں رکھ سکتا وہ کیا لڑے گا؟ اے اللہ کے نبی ﷺ بس اجازت عطا فرما دیجئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجازت دے دی۔ خوشی خوشی گھر آ کے اپنی اہلیہ سے کہتے ہیں تیاری کرو میں بھی جہاد کیلئے جا رہا ہوں۔ وہ بیوی تھی آگے سے مسکرا کر کہہ دیا میں دیکھ رہی ہوں آپ تو بھاگ کے آ رہے ہیں واپس۔ جب یہ بات سنی تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی،

اللھم لا تردنی الی اھلی (اے اللہ مجھے اپنے اہل کی طرف نہ لوٹانا)

اے اللہ مجھے اس سفر میں جب میں نکلوں تو واپس اہل خانہ کی طرف کبھی نہ لوٹانا چنانچہ وہ اپنے لنگڑے پن کے ساتھ گئے اور میدان جہاد میں جا کر شہید ہو گئے۔ جس قوم کے معذوروں کا یہ حال ہو پھر اس قوم کے صحت مندوں کا کیا حال ہوگا؟ دین اسلام میں قربانیوں کی تو پوری تاریخ ہے۔ تمنائیں ہوتی تھیں، چھوٹی بچیاں آپس میں بیٹھ کے باتیں کرتی تھیں۔ ایک بچی رو رہی ہے، چھوٹی بچی سے پوچھا گیا تو کیوں رو رہی ہے؟ کہتی ہیں یہ بچیاں مجھے طعنہ دیتی ہیں کہ ہمارے والد تو وہ تھے جن کو میدان جنگ میں شہادت ملی اور

تمہارے والد کو تو بستر پہ موت آئی۔ تو بستر پہ جن کو موت آئے ان کی بیٹیاں رویا کرتی تھیں۔ اب سوچئے کہ ہمارے اس دین اسلام میں قربانیوں کی کتنی بڑی تاریخ ہے۔ تو یہ واقعہ کربلا والی ایک قربانی نہیں الحمدللہ! یہ بھی قربانی ہے بہت بڑی قربانی مگر اس جیسی بہت بڑی بڑی قربانیاں ہیں۔ جس کو دیکھئے اسی کے دل میں تمنا ہوتی ہے۔ اسی کے دل میں تمنا کہ میری جان اللہ کے نام پہ قبول کرلی جائے۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ:

حضرت ضرار ؓ کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ مجاہدینِ اسلام میں ان کا بڑا نام ہے، کفار ان سے ڈرتے تھے اور ان کی حالت یہ تھی کہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پہ بیٹھ کے جہاد کیا کرتے تھے۔ ان کی یہ حالت تھی ان کے بارے میں یہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو قید کرلیا گیا تو حضرت خالد بن ولید ؓ نے فیصلہ کیا کہ ان کو چھڑانے کے لیے حملہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ حملہ کیا تو وہ دیکھتے ہیں کہ حملے کے وقت میں ایک سوار ہے، جس نے اپنے چہرے پہ نقاب کیا ہوا ہے اور ایک گھوڑے پر سوار ہے اور اس کا گھوڑا اتنا تازہ دم اور تیز رفتار ہے کہ وہ صفوں میں کبھی بھاگتا ادھر جاتا اور کبھی ادھر جاتا ہے اور اس کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ یہ بڑے حیران کہ یہ اتنا بیباک اور نڈر مجاہد کون ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب جنگ ہوئی تو وہ مجاہد میرے قریب قریب تھا، جب میں دشمنوں کے نرغے میں آنے لگتا تو وہ مجاہد میری مدد کرتا اور مجھے نرغے سے باہر نکالتا اور میں اسے دیکھتا کہ وہ کافروں کو مولی اور گاجر کی طرح کتر رہا تھا۔ کہتے ہیں بڑی دیر تک جنگ کے بعد جب ہم باہر نکلے کہ دیکھیں پتہ چلایا نہیں؟ تو میں نے اس کے گھوڑے کو دیکھا کہ وہ خون سے تربتر تھا، اتنا اس نے کافروں کا قتال کیا تھا۔ جب باہر آئے تو پتہ چلا کہ حضرت ضرار ؓ کا ابھی کوئی پتہ نہیں چلا تو بڑے حیران ہوئے کہ کریں تو کیا کریں۔ اب ایسے میں فیصلہ کرنا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے تو فرماتے ہیں کہ ایسے میں وہ مجاہد میرے قریب آیا تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں پتہ تو

کروں کہ یہ مجاہد کون ہے؟ تو میں نے اس سے پوچھا کہ من انت۔ تو کون ہے؟ تو آگے سے ایک نسوانی آواز آئی۔ اے امیر الجیش! میں ایک خاتون ہوں میں نے پوچھا کہ آپ کیسے اس طرح مردوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئیں؟ کہنے لگی کہ میں خولہ ؓ ہوں ضرار کی بہن اور جب بھائیوں پر مصیبت بنا کرتی ہے تو پھر بہنیں اس وقت کام آیا کرتی ہیں۔ میں نے آپ سے پہلے اجازت اس لئے نہ مانگی کہ کہیں آپ مجھے انکار نہ فرمادیں۔ اس لئے میں خاموشی سے نکل آئی آپ میری اس سبقت کو معاف کردیجئے گا اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنے بھائی کی رہائی کیلئے اسی طرح اپنے بھائیوں کے ساتھ نکلوں۔ اللہ اکبر! اندازہ لگائیے یہ اس وقت کی مسلمان خواتین کے دل کی تمنا ہوا کرتی تھی۔ موت سے ڈرنا جانتے ہی نہیں تھے بلکہ موت کا پیالہ پینا پسند کرتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید ؓ نے دوبارہ حملہ کیا اور بالآخر ایک مقام پر جاکر حضرت ضرار ؓ کو انہوں نے رہا کروالیا۔

حضرت ضرار ؓ کا واقعہ:

ان کا واقعہ سنا رہا ہوں کہ ایک دفعہ گھوڑے پر سوار تھے اور اس کے گھوڑے کو رومیوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے جب دیکھ لیا کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی انہوں نے گھیرا اور تنگ کرلیا۔ انہوں نے نیزے کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا۔ لیکن کئی گھنٹے جہاد کے بعد گھوڑا تھک چکا تھا یہ گھوڑے کی لگام کھینچتے کہ گھوڑا آگے بڑھے اور گھوڑا تھکاوٹ کی وجہ سے پسینے میں شرابور تھا اور آگے بڑھ نہیں سکتا تھا۔ اب جب انہوں نے دیکھا کہ گھوڑا تھک گیا تو پھر یہ جھکے اور گھوڑے کی گردن تک پہنچ کر ہاتھ پھیر کر گھوڑے سے کہا، اے گھوڑے! تو تھوڑی دیر کے لیے میرا ساتھ دے دے نہیں تو میں نبی ﷺ کے روضے پر جاکر تیری شکایت کروں گا۔ علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات شام میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب یہ الفاظ کہے گھوڑے نے چھلانگ لگائی ہنہنایا اور ایسے بھاگنے لگا جیسے کوئی تازہ دم گھوڑا ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ

دشمنوں کے نرغے سے نکل کر باقی مسلمانوں کے پاس پہنچ گیا۔ اللہ اکبر! تو مجاہدین کی بات اور دین اسلام کے علماء کی بات کہ وہ باطل سے ڈر جائیں، ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ وہ تو جان کا نذرانہ پیش کرنے کیلیے تیار ہوتے ہیں۔

استقامت کی ضرورت:

اس کو استقامت کہتے ہیں اور یہی استقامت آج کے وقت کی ضرورت ہے۔ ہمیں آج اپنے ایمان کے بدلے میں مال پیش کیا جائے گا مگر ان کروڑوں کی کیا حیثیت ہے۔ ان کو لے کر گٹر میں ڈال دیجیے کہ کیا ہم مال کے پیچھے بکنے والے ہیں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ دنیا ڈرائے گی کہ یہ کر دیا جائے گا وہ کر دیا جائے گا نہیں! جب تک ہم دین اسلام پر قائم ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ ہاں مومن کو اگر ڈر لگے تو اپنے گناہوں سے ڈر لگے، ڈر لگے تو کس سے لگے؟ اپنے گناہوں سے۔ کہ جو خطائیں ہم کر چکے ہیں کہیں اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں۔ اور نہیں ڈرنا چاہیے کسی سے۔ اگر شریعت وسنت پر زندگی گذر رہی ہے تو مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدً اِلَّااللّٰہ۔ دیکھا یہ مومن کی شان قرآن پاک میں بتائی گئی، اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ تو یہ مومن کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور اس کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر دینا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ اس کو ایمان کہتے ہیں اور اس کو آج مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جب یہ ایمان تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے تو جہاد کرنا شوق کی بات ہوتی تھی۔ خوشی کی بات ہوتی تھی۔

ماؤں کی تمنائیں:

چنانچہ مائیں اپنے بچوں کو کھانا کھلانے بیٹھتیں تھیں اور ان کو کہتی تھیں کہ بیٹو! نہ میں نے تمہارے ماموں کو رسوا کیا اور نہ تمہارے باپ کے ساتھ خیانت کی۔ بچے پوچھتے کہ

امی کیا مطلب؟ کہتیں جب میں کنواری تھی مجھ سے ایسی بات نہیں ہوئی کہ تمہارے ماموں کی رسوائی ہوتی اور جب شادی ہوئی تو میں نے تمہارے باپ کے ساتھ خیانت نہیں کی۔ میں نے اس کی آرام گاہ پہ کسی کو آنے نہیں دیا۔ میں ایسی پاک دامن تمہاری ماں ہوں تو بیٹے کہتے امی چاہتی کیا ہو؟ بیٹے! میرے دل کی تمنا پوری کر دینا۔ امی کونسی تمنا؟ کہ بیٹے تمنا یہ ہے کہ جب تم بڑے ہو کر جوان ہو جاؤ تو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلنا اور بیٹے! تم سب کے سب اللہ کے راستے میں شہید ہو جانا۔ جب قیامت کے دن کہا جائے گا مجاہدین کی مائیں کہاں ہیں؟ تو بیٹو! اس وقت میں اپنے رب کے حضور پیش ہو جاؤں گی کہ میں بھی چار مجاہدین کی ماں ہوں۔ اور بیٹو جب تم شہید ہو گے اور مجھے اطلاع ملے گی تو میں آ کے تمہاری لاشوں کو دیکھوں گی کہ زخم تمہاری پشت پر لگے ہیں یا تمہارے سینے پر لگے ہیں۔ جب مائیں چھوٹے بچوں کو یہ تعلیم دے رہی ہیں تو پھر سوچیے کہ ان کے دلوں میں کتنے قربانی کے جذبے ہوتے تھے۔ یہ تاریخ ہے وفا کی۔ اہل حق نے وفا کے وہ کارنامے انجام دیے آج سنتے ہیں حیران رہ جاتے ہیں۔

قربانیاں دیتے رہنا:

قدرتاً اتفاق دیکھیے کہ آج کا یہ اجتماع کا دن ویسے بھی دس محرم کا دن ہے تو قربانیوں کو انسان یاد کرتا ہے۔ تو ہم نے قربانیاں دیتے رہنا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ دے کر چلے گئے اور ہمارے گناہ بھی دھو گئے۔ نہیں! یہ قربانیوں کا سلسلہ چلتا رہے گا ہر دور ہر زمانے میں اہل حق کو باطل کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا اسی کو استقامت کہتے ہیں۔ اور اسی کے لیے آج ہم نے اپنے دلوں کے اندر ایک جذبہ ایمانی پیدا کر لینا ہے۔ ایسا ٹھوس جذبہ ہو کہ مومن کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکے۔ جب ہم نے جان پیش کر دینی ہے تو خواہشوں کو توڑنا یہ تو اس سے آسان کام ہوتا ہے۔ اس لیے سالکین کی خدمت میں گذارش ہے کہ اپنے نفس کی خواہشات کو آج توڑ دیجیے اور اپنی نگاہوں کو اپنے رب کی

طرف موڑ لیجیے اپنے رب کی طرف نگاہیں کر لیجیے ۔عہد کر لیجیے کہ میں نے نفس کی خواہشات کا غلام نہیں بننا۔ میں نے اپنے رب کا بندہ بننا ہے، خواہشات کا بندہ نہیں بننا ہے۔ نفس کی خواہشات کی میں نے آج قربانی دینی ہے۔ میں نے ہر وہ کام کرنا ہے جس کا شریعت نے مجھے حکم دیا اور اسی کی خاطر مجھے جانا ہے۔

اور یہ قربانیاں آسان نہیں ہوتیں ۔ایک تو ہوتا ہے اپنی قربانی پیش کر دینا یہ پھر بھی آسان ہوتا ہے۔ لیکن اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو دین کے لیے قربان کر دینا یہ اس سے بھی بڑا مجاہدہ ہوتا ہے ۔اور یہ الحمدللہ علمائے حق کی قربانیوں کا تسلسل ہے۔ ہمارے اکابرین نے خود بھی علم حاصل کیا اور اپنی اولادوں کو بھی علم حاصل کرنے کے لیے ڈالا اپنی اولادوں کو بھی اسی راستے پر ڈالا۔ ورنہ فرنگی کی خواہش یہ تھی کہ دین سے عوام کو اتنا دور کر دو کہ یہ اپنی اولاد کو دیندار بنانے کی طرف متوجہ ہی نہ ہوں۔ مگر علمائے حق ڈٹے رہے۔ انہوں نے خود بھی غربت برداشت کی چٹائیوں پر بیٹھے اور اللہ کی طرف سے مل گیا تو کھالیا ورنہ فاقے برداشت کر لیے۔ وقت کی حکومتوں کی طرف دامن نہیں پھیلایا، ہاتھ نہیں اٹھایا اور ان کی قربانی رنگ لائی اور بالآخر اس قوم کے اندر یہ مدارس آج بھی آباد ہیں۔ پہلے جہاں پچاس ہوتے تھے آج سو ہیں۔ جہاں سو طالب علم ہوتے تھے آج الحمدللہ دو سو موجود ہیں۔ پھر جس شہر کے اندر دس جامعات تھے آج وہاں پندرہ یا بیس نظر آتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ ختم ہو جائیں گے مگر اللہ کی شان دیکھیے جامعات اور دار العلوم بھی بڑھ رہے ہیں اور ان میں پڑھنے والے طلباء کی تعداد بھی بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اچھا پہلے وقت میں طلباء آتے تھے تو سیدھے حفظ کر کے پڑھنے کے لیے آتے تھے یا ابتدائی فارسی کی تعلیم کے بعد پڑھنے آتے تھے۔ الحمدللہ! یہ عاجز آج دار العلوموں کے چکر لگاتا ہے جس دار العلم میں جاؤ ماشاءاللہ ایف اے کر کے آرہے ہیں، بی اے کر کے آرہے ہیں، ایم اے کر کے آرہے ہیں۔ ہمارے استاد مولانا محمد اشرف دامت برکاتہم مان کوٹ (ملتان) والے وہ

فرمانے لگے کہ میں خود بھی اس بات پہ بڑا حیران ہو رہا ہوں کہ جب اس عاجز نے ان کو اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ کہنے لگے اس کے بعد میں نے بڑا دیکھا ہمارے دار العلوموں میں اب انگریزی سیکھنے پڑھنے والے لوگوں کے آنے کی آمد اللہ تعالیٰ نے بڑھا دی ہے۔ ماشاءاللہ! لوگ ختم کرنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ آباد کرنا چاہتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ تو یہ استقامت ہے علمائے حق کی جس کی وجہ سے الحمدللہ یہ جامعات یہ دار العلوم آج آباد ہیں۔ اور دین کا یہ فیض جو ہے یہ تسلسل کے ساتھ چل رہا ہے۔ تو صحابہ کرام نے قربانیاں دیں، تابعین نے دیں، ہر زمانے میں علمائے حق نے قربانیاں دیں۔

علمائے دیوبند کی قربانیاں:

الحمدللہ! اسی دین کی خاطر علمائے دیوبند ارجمند انہوں نے بھی دین کی خاطر قربانیاں دیں۔ یاد رکھنا! علمائے دیوبند کی تاریخ کی ابتداء دیوبند سے ہوئی اور اس کا عروج پاکستان میں ہوا، بالاکوٹ میں۔ کہاں پر ہوا؟ بالاکوٹ میں۔ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارے مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تو حضرت نے انہیں کہا' کہ آپ تو دیوبند سے تعلق رکھتے ہیں جس سے ہمیں ایک والہانہ محبت کا تعلق ہے۔ کوئی دن زندگی کا ایسا نہیں کہ ہم دیوبند کو یاد نہ کرتے ہوں۔ تو آگے سے قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا حضرت جو آپ نے کہا وہ بھی ٹھیک ہے، مگر میں بھی عرض کروں کہ دیوبند والوں پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ جب وہ پاکستان کو یاد نہ کرتے ہوں۔ تو حضرت نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ کہنے لگے کہ اس علمی تاریخ کی ابتداء تو یہاں سے تھی لیکن اس کی معراج تو پاکستان جا کر ہوئی۔ انہوں نے پوچھا وہ کیسے؟ کہنے لگے کہ وہ بالاکوٹ میں جہاں شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ موجود ہیں۔ کہنے لگے دیوبند میں کوئی دن خالی نہیں جاتا جس دن میں بالاکوٹ کا تذکرہ نہ ہو۔ یہ قربانیاں ہیں ایک علمی تسلسل ہے، الحمدللہ ایک روحانی رشتہ ہے۔ جی ہاں

!تو قربانیاں دی گئیں دین کی خاطر۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ آج بھی علمائے دیوبند کے روحانی فرزند دین کی خاطر قربانیاں دے رہے ہیں۔ آرام کی قربانیاں، خواہشات کی قربانیاں، مال کی قربانیاں، اپنی جان کی قربانیاں، ہر قسم کی قربانیاں آج دے رہے ہیں اور الحمدللہ دین کی حفاظت کا کام آج کر رہے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمارے علماء صلحاء کی زندگیوں میں برکتیں عطا فرمادے، اللہ تعالیٰ ان کے درجوں کو بلند فرمادے کہ انہوں نے اس دور میں جبکہ خواہشات کو پورا کرنا بہت آسان بن گیا ہے، بکنا بہت آسان بن گیا ہے۔ یہ بکتے نہیں، یہ جھکتے نہیں۔ انہوں نے اللہ کے اس در کو بہت مضبوطی کے ساتھ تھاما ہوا ہے۔ تو یہ قربانیوں کی تاریخ چلتی رہے گی یہ قیامت تک اسی طرح رہے گا۔ ہمارے اکابرین نے اولاد کے اوپر تنگیاں اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھیں اور پھر بھی انہوں نے راہ حق سے پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیا۔

مولانا جعفر تانیسریؒ کا واقعہ:

اس عاجز نے پہلے بھی آپ کی خدمت میں عرض کیا ہوگا کہ وہ اس جماعت کے ایک بہت بڑے مجاہد تھے۔ حتیٰ کہ جب شاملی کے میدان میں جنگ آزادی لڑی گئی تو ایک حصے میں حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ وہ جرنیل تھے اور دوسری طرف مولانا جعفر تانیسری رحمۃ اللہ علیہ وہ جرنیل تھے۔ خیر جب جنگ ختم ہوگئی واپس آگئے تاہم جدوجہد کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ایک وقت میں فرنگیوں نے ان کو قید کر لیا قید کر کے امرت سر پہنچادیا۔ فرماتے ہیں امرت سر میں انہوں نے ہمیں اتنی سزائیں دیں جتنا وہ دے سکتے تھے اور ہم نے اس کو خوشی سے برداشت کرلیا۔ اب فرنگی پریشان ہیں کہ ہم ان کو سزا دے دے کر تھک گئے ہیں یہ کیسے لوگ ہیں، یہ سزا لے کر نہیں تھکتے۔ تو پھر انہوں نے اپنے حکام (اوپر والوں) سے رابطہ کیا تو لاہور کے گورنر نے کہا کہ اگر تم سے قابو میں نہیں آتے تو ہمیں بھیج دو ہم ان کو اور زیادہ سزائیں دیتے ہیں۔ کہنے لگے پھر انہوں نے ہمیں لاہور بھیج

دیا۔ لاہور والوں نے جب دیکھا کہ ہم صرف بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں ہیں۔ انہوں نے ہمیں گز بھی لگادیے۔ یہ گز ایک ایسی چیز ہوتی ہے کہ جس میں باندھ دیا جائے، نہ انسان بیٹھا ہوتا ہے نہ کھڑا ہوتا ہے درمیان کی کیفیت ہوتی ہے۔ بڑی بے آرامی کی اور تکلیف کی کیفیت ہوتی ہے کہ انسان نہ بیٹھا ہے نہ کھڑا ہے۔ درمیان کی حالت میں ہے تو کتنی دیر کھڑا ہوسکتا ہے۔ تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کہنے لگے کہ ہم اس میں بھی اپنے رب کو یاد کرتے رہے اور اس کو برداشت کرتے رہے۔ اس نے بھی ہم کو خوب تکلیفیں دیں۔ حتی کہ ایک مہینے بعد اس نے کہا کہ جی اتنی تکلیفیں دے کر بھی میں ان سے کوئی راز نہ اگلوا سکا، اس کو اپنا ہمنوا نہ بنا سکا، اب میں کیا کروں؟ تو ملتان والے نے کہا کہ اگر آپ سے قابو میں نہیں آئے تو آپ ہمارے پاس بھیج دیجئے ہم ان کو ٹھیک کرلیں گے۔ کہنے لگے کہ اس وقت ان کو بڑا غصہ آیا کہ یہ مانتے کیوں نہیں؟ اس نے کہا اچھا میں ان کو ایسی تکلیف دونگا کہ یا ان کو موت آجائے گی یا یہ ہماری بات پہ آمادہ ہوجائیں گے۔ لہٰذا اس نے ریل پر ہمیں بھیجنے کا بندوبست کردیا۔ ہر قیدی کے لیے (یہ سارے علماء تھے) ہر قیدی کے لیے چھوٹا سا پنجرہ بنوادیا گیا جس کے اندر انہیں ڈال دیا گیا۔ مگر پنجرے کے جو سریے تھے ان کے ساتھ اندر کی طرف لوہے کی کیلیں لگوادی گئیں، ویلڈ کردی گئیں۔ کہنے لگے ہر عالم جو بیٹھا ہوتا اب اس کے ایک انچ اُدھر اور ایک انچ اِدھر چاروں طرف کیلیں تھیں اور درمیان میں اس کو بٹھادیا گیا۔ اور یہ ڈبہ اٹھا کر ریل گاڑی میں ڈال دیا گیا۔ جب یکدم گاڑی چلتی تو جھٹکا لگتا اور جھٹکے کے ساتھ وہ جتنی کیلیں تھیں ہمارے جسم کے اندر چبھ جاتیں اور ہمارے جسم سے خون نکلتا اور ہم ابھی سنبھل ہی رہے ہوتے، اپنے زخموں کو پونچھ رہے ہوتے کہ گاڑی یکدم بریک لگادیتی اور دوسری طرف ہماری پھر کیلیں چبھ جاتیں۔ اب اس طرح ہم چاروں طرف کیلوں میں بیٹھے اور ہمارے جسم میں مختلف جگہوں پہ کیلیں چبھ رہی ہیں، خون نکل رہا ہے۔ پھر پنکھا نہیں، پسینہ آرہا ہے گرمی کی شدت سے اور اس حالت میں ہمیں

لاہور سے ملتان بھیجا گیا۔ ایک ایک ہفتہ ایک جگہ پہ کھڑے رہتے۔ ہمیں راستے میں کہیں نیند آجاتی، بیٹھے بیٹھے اچانک پھر گاڑی چل پڑتی۔ کبھی سر میں کبھی جسم میں کیلیں چبھتیں اور ہمارا لاہور سے ملتان کا سفر تین مہینے میں طے ہوا۔ تین مہینے پنجرے میں رکھا گیا۔

تین مہینے بعد ملتان گئے، انہوں نے نکالا۔ اب انہوں نے بھی ہمیں اپنی راہ پر لانے کی کوشش کی لیکن یہ نہ مانے۔ اب ان کو بڑا غصہ آیا، اتنی تکلیفیں دینے کے بعد بھی یہ بات نہیں مانتے تو پھر کیا کریں گے ان کو سزائیں دے کر۔ دفع کرو ان کو ہم سیدھا سیدھا پھانسی پہ لٹکا دیتے ہیں۔ تو اوپر والے انگریز نے کہہ دیا کہ ٹھیک ہے لٹکا دو۔ چنانچہ اس نے کہا کہ تم نافرمان ہو مانتے نہیں بس کل ہم تم کو سولی پہ لٹکا دیں گے۔ جان چھڑائیں گے ان کو سزائیں دے دے کے ہم تنگ آگئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب علماء نے سنا کہ کل ان کو پھانسی لٹکایا جائے گا تو اب ان کے چہرے کے اوپر جو ہے طمانیت آگئی، خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ جس مقصد کے لیے ہم یہ قربانیاں دے رہے تھے وہ مقصد ہمیں نصیب ہو جائے گا۔

فرماتے ہیں اگلے دن جب فرنگی نے آکر دیکھا تو علماء کے چہرے بڑے تروتازہ نظر آئے تو وہ کہنے لگا او ملاؤ! تمہیں کیا ہوا آج بڑے خوش نظر آرہے ہو، تو کسی نے کہا اس لیے کہ آج آپ پھانسی دیں گے اور ہمیں، شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن، شہادت نصیب ہو جائے گی، ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ جب اس نے سنا تو وہ سوچنے لگا کہ ہم ان کو خوش تو کرنا ہی نہیں چاہتے۔ یہ اگر مرنے سے خوش ہوتے ہیں ہم انہیں مارنا ہی نہیں چاہتے۔ اس نے پھر اوپر فون کر کے رابطہ کیا اوپر والوں نے کہا ٹھیک ہے ان کو سولی نہ لٹکاؤ بلکہ ان کو کالا پانی بھیج دو۔ چنانچہ ''تاریخ کالا پانی'' یہ کتاب کا نام ہے اس میں مولانا جعفر تھانیسریؒ نے اپنی زندگی کی خود نوشت لکھی ہے اور کالا پانی میں ان کے ساتھ کیا گزار ساری داستان لکھی ہے۔

وہ اس میں اپنا یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں فرماتے ہیں کے جب فرنگی نے کہا

کہ ہم تمہیں اس وقت سولی بھی نہیں لٹکانا چاہتے تو ہم حیران رہ گئے کہ ہماری تمنا پوری ہوتے ہوتے رہ گئی تو انہوں نے اس پر ایک شعر لکھا

؎ مستحق دار کو پھر حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

کہ پھانسی پہ چڑھ جاتے تو رہا ہو جاتے، ہماری رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ خیر ہم نے اس کو بھی برداشت کر لیا لیکن ایک مسئلہ اس سے بھی بڑا تھا اور وہ کیا؟ کہ جب اگلے دن ہمیں کالا پانی بھیجنے کے لیے انہوں نے جیل کی کوٹھڑی سے نکالا، ہم حیران کہ اس نے ہمارے بیوی بچوں کو بلایا ہوا ہے۔ اب بیوی کھڑی ہے پردے میں، بچے ہیں، بیوی رونے لگ گئی بچہ آکر (میرا چھوٹا بچہ آٹھ نو سال کا تھا) میری ران سے لپٹ گیا ابو! آپ کو زنجیروں میں کس نے باندھ رکھا ہے، کیوں باندھا ہوا ہے؟ زنجیروں میں تو جانور کو باندھتے ہیں۔ اب چھوٹے بچے کو کون سمجھائے کہ اے بچے دین کی خاطر زنجیروں میں انسانوں کو بھی باندھا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بیوی بھی رو رہی ہے اس حال میں دیکھ کر۔ اب ایسے وقت میں بیوی کو انہوں نے یہ کہا کہ تم ان کی زبان سے اتنا کہلوا دو ہم فرنگی کے دشمن نہیں دوست ہیں تو ہم ان کو ابھی آزاد کر دیں گے اور تمہارے ساتھ ان کو گھر بھیج دیں گے۔ اب بیوی بیچاری بھی رو رہی ہے منت کر رہی ہے دو لفظ ہی تو کہنے ہیں آپ کہہ دیجیے میں فرنگی کا دشمن نہیں دوست ہوں ابھی آپ گھر چلیں گے۔ بچے اداس ہیں گھر میں پریشانی ہے آپ کہہ دیجیے۔ فرمانے لگے اس سے بڑا امتحان اور کوئی نہیں تھا کہ اس وقت ہم جو الفاظ کہنا نہیں چاہتے تھے مگر بیوی کے بھی آنسو دیکھتے ہیں۔ اس وقت کہنے لگے سب سے زیادہ مشکل پیش آئی، اپنے جذبات کو قابو کرنے کی اور میں نے اپنی بیوی کو تسلی دلائی، میں نے کہا' اللہ کی بندی صبر کر لینا، اگر اللہ نے مجھے موت دینی ہے تو پھر قیامت کے دن نبی ﷺ کے سامنے حوض کوثر پر ملاقات ہوگی اور اگر زندگی رہی تو

میں دنیا میں واپس آؤں گا اللہ ملاقات کروادیں گے۔ کہنے لگے ہم نے اس طرح بیوی کو تسلی دی اور اپنے بچوں کو اس طرح سنبھالا اور بالآخر ہم وہاں سے رخصت ہو گئے۔ فرماتے ہیں کہ میری زندگی کا یہ سب سے بڑا مجاہدہ تھا۔ پھر اس کے بعد ایک اور وقت آیا جب میں کالا پانی پہنچ گیا اب اس دوران میرے بیٹی تھی وہ جوان ہوگئی تو بیوی نے بیٹی کا نکاح کرنا تھا۔ اب وہ پریشان تھی کہ والد گھر پہ نہیں تو میں بیٹی کا فرض کیسے ادا کروں۔ بیوی نے خط لکھا کہ بیٹی جوان ہوچکی ہے اب آپ بتا دیجیے کہ میں اس بیٹی کا فرض کیسے ادا کروں۔ فرماتے ہیں میں نے کالا پانی سے جواب لکھا اور اپنی بیوی کو کہا کہ قریب میں کوئی متقی پرہیزگار، متبع سنت، صاحب نسبت بزرگ موجود ہو تو ان کی خدمت میں پیغام بھیج دیجیے کہ بیٹی کا نکاح کرنا ہے۔ والد اس طرح کالا پانی میں ہے آپ اس کے لیے کوئی ذاکر شاغل نیک نوجوان تجویز فرما دیجیے۔ یقیناً کوئی نیک نوجوان وہ تجویز فرمادینگے اور جب وہ نیک نوجوان تجویز فرمادیں تو پھر اس بچی کا نکاح کر دیجیے۔ مگر انہیں کہہ دینا کہ نکاح کے وقت وہ اعلان کر دے کہ یہ ایک زندہ باپ کی یتیم بیٹی کا نکاح ہو رہا ہے کہ اس کا باپ اس کے نکاح میں نہیں پہنچ سکتا زندہ باپ کی یتیم بیٹی کا نکاح ہو رہا ہے لوگو! تم دعاؤں سے اس بچی کو رخصت کر دینا۔

اتنی قربانیاں دیں ہمارے مشائخ نے اس دین کی خاطر۔ اللہ رب العزت ہمیں اس دین کی سمجھ عطا فرمادے اور ہمیں دین کی خاطر اپنے تن من دھن کی بازی لگانے کی توفیق عطا فرمادے اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمارے ان عمال کو قبول فرمالے اور پورے زندگی ہمیں شریعت وسنت پر استقامت نصیب فرمادے۔ نفس وشیطان کے مکر وفریب سے بچا کر اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا والی زندگی نصیب فرمادے

و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

حکم خدا کو نہ توڑنا

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥

اِنَّ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥

وَ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ

بندے کو عاجزی سجتی ہے:

اللہ رب العزت عظمتوں والے ہیں، کبریائی والے ہیں، وہ اس کائنات کے خالق اور مالک ہیں۔ زمین وآسمان میں اسی پروردگار کا حکم چلتا ہے، اسی کی شاہی ہے سب شان اسی کے لیے ہے، سب بلندی اسی کے لیے ہے۔ اسی لیے حدیث قدسی میں فرمایا،

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ بلندی اور بڑائی میری چادر ہے

تو جب بڑائی پروردگار عالم کو سجتی ہے تو اب بندے کو چاہیے کہ وہ عاجزی اختیار کرے۔ عاجزی وہ نعمت ہے کہ اسے اختیار کیے بغیر کسی بھی انسان کو اللہ کی معرفت نصیب نہیں ہوسکتی۔ جو انسان بھی اللہ کے در تک پہنچا اس کو عاجزی کے دروازے سے گذرنا پڑا۔ اس دروازے میں سے گزرے بغیر کوئی بندہ بھی اللہ سے واصل نہیں ہوسکتا۔ اس عاجزی کو پیدا کرنے کے لیے مشائخ عظام مجاہدے کرواتے ہیں، پروردگار کے در پر جھکنا سکھاتے ہیں، اللہ رب العزت کے احکام کی عظمت دل میں پیدا کرتے ہیں۔

احکام شریعت کی عظمت دل میں پیدا کیجیے:

حکم خدا، حکم خدا ہے۔ آج کے زمانے کے فسادات میں سے ایک فساد یہ بھی ہے کہ احکامِ الٰہی کی عظمت دل سے نکلتی جا رہی ہے۔ شریعت کے احکام جب کسی کے سامنے آتے ہیں اور وہ منشاء کے خلاف ہوتے ہیں تو ان میں تاویلاتِ نفس نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔ فرار کی راہیں اختیار کرتے ہیں۔ سوالات پوچھتے ہیں کہ شریعت میں ایسا کیوں ہے؟ یاد رکھیے! جس بندے نے کلمہ پڑھ لیا اور یہ کہہ دیا، قَبِلْتُ جَمِيْعًا اَحْكَامِهٖ، میں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کے سب احکامات کو قبول کر لیا اب اس کے پاس سوال کا اختیار نہیں رہا۔ اب وہ یہ نہیں پوچھ سکتا کہ شریعت میں ایسا کیوں ہے؟ نہیں، جب سب احکام کو قبول کر لیا اب فقط احکام کے اوپر عمل کرنا باقی رہ گیا۔

مالک کی اطاعت جانوروں سے سیکھیے:

اللہ رب العزت نے جانوروں کو انسان کے تابع بنا دیا۔ دیکھیں جانور انسان کی فرمانبرداری کیسے کرتے ہیں۔ اتنا بڑا اونٹ ہوتا ہے ایک لات مارے تو بندے کی جان ہی نکل جائے لیکن چھوٹے سے بچے کے ہاتھ میں نکیل دے دو تو اونٹ اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ یہ بچہ چھوٹا سا ہے آٹھ دس سال کا بچہ ہے مگر اونٹ کو مطیع بنا دیا گیا، فرمانبردار بنا دیا گیا۔ کبھی اس نے اپنے مالک سے جھگڑا نہیں کیا کہ میری کمر پہ زیادہ بوجھ نہ لادو۔ اس کو ماتحت بنا دیا گیا اب وہ پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ اونٹ کی جسامت دیکھیں اور چھوٹے بچے کا معاملہ دیکھیں کوئی تک بنتا ہے؟ مگر نہیں پروردگار نے اسے مطیع بنا دیا۔ تو سر جھکائے پیچھے چل رہا ہے، سینکڑوں میل چلے گا پیچھے، جہاں تک اس کا مالک اس کو لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے گھوڑے کو انسان کا ماتحت بنا دیا۔ گھوڑا انسان کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ پھر گھوڑے سے اللہ تعالیٰ نے بولنے کا اختیار بھی چھین لیا۔ اگر گھوڑے کو بولنے کی

بالفرض قوت مل جاتی تو وہ بھی قدم قدم پہ کہتا کہ آپ نے مجھے کھانا نہیں دیا، دانہ نہیں دیا، مجھے Sick lieve چاہیے (میڈیکل لیو) میری بھی آج طبیعت ٹھیک نہیں تو ہمارے لیے تو مصیبت کھڑی ہو جاتی۔ انسان کا حال دیکھو کہ سارا دن گھوڑے سے کام لیتا ہے اور شام کو دانہ ڈالنا بھی اسے بھول جاتا ہے۔ گھاس تھوڑا ملا تو جتنا تھا وہی ڈال دیا۔ وہ صبر وشکر کے ساتھ پیٹ بھرے یا نہ بھرے گھوڑا اس کو کھا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ سردیوں کی رات ہے مالک خود تو بستر میں رضائی اوڑھ کے سو گیا، گھوڑے کو کمرے میں باندھنا بھول گیا گھوڑا ساری رات سردی کے اندر کھڑا ہے۔ اس کے لیے پلنگ نہیں، بستر نہیں، رضائی نہیں، سردی میں اسے نیند بھی نہیں آتی اور وہ لیٹ کے بھی نہیں سوتا۔ کھڑے کھڑے سو رہا ہے ساری رات اس طرح گذاری اگلے دن اس کے لیے Sick lieve نہیں آئی۔ وہ مالک کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں آج کام پہ نہیں جا سکتا۔ آج میری طبیعت ٹھیک نہیں، میری نیند پوری نہیں ہوئی۔ مالک اسے تانگے میں لگا دیتا ہے اور پھر سارا دن بھاگتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ کئی دفعہ ہم نے دیکھا کہ مالک نے اپنے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا اور کہیں آ کے کھڑا کیا تو قریب گندی نالی تھی اس گھوڑے نے گندی نالی کا پانی پینا شروع کر دیا وہ اپنے مالک سے شکوہ بھی نہیں کر سکتا کہ مالک آپ کے لیے تو پیپسی اور کوک ہے اور ہمارے لیے پانی بھی نہیں؟ ہم گندا پانی پیتے ہیں اور سارا دن بھاگتے ہیں۔ تھکا ہوا ہے گھوڑا اور مالک کو اسٹیشن جانے کے لیے چند سواریاں مل گئیں۔ سواریوں نے کہا آپ کو پانچ روپے زیادہ دیں گے گاڑی نکل رہی ہے ذرا جلدی دوڑاؤ، سارے دن کا تھکا ہوا گھوڑا اب مالک اس کو چابک مارنا شروع کر دیتا ہے، وہ مالک کو کہہ نہیں سکتا کہ سارا دن بھاگتا رہا ہوں اب پانچ روپے کی خاطر مجھ پر اتنا ظلم کر رہے ہو۔ وہ بیچارا چابک بھی کھا رہا ہے اور بھاگ بھی رہا ہے۔ مجبوری دیکھئے اس بھاگنے کی دوران اگر اس کو اپنی لید کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کو اس ضرورت کے لئے کھڑا ہونے کی فرصت نہیں۔ وہ

بھاگ بھی رہا ہے اور لید بھی کر رہا ہے آپ نے کبھی دیکھا کسی کو اتنا مجبور کہ اس کی ضرورت کے لیے بھی اس کو کھڑا ہونے کی فرصت نہیں دی جا رہی ہے۔ گھوڑا تانگے کو لے کر بھاگ بھی رہا ہے ساتھ ساتھ لید بھی پھینکتا جا رہا ہے اور اپنا سفر بھی کرتا جا رہا ہے۔ تھکا ہوا ہے مگر چھانٹے کھا رہا ہے اور پھر بھاگ رہا ہے۔ اس کا حال دیکھو اگر اس کے جسم پر زخم تھا اور مالک نے اس کو کچھ لگایا نہیں تو مکھیاں بیٹھ رہی ہیں اور تنگ کر رہی ہیں۔ وہ مالک کو بتا بھی نہیں سکتا کہ جناب اس پر کچھ لگا ہی دیتے۔ مالک اگلے دن پھر اس کے جسم پر زین ڈال دیتا ہے۔ پرانا زخم تازہ ہو جاتا ہے۔ مگر اس کو بتانے کی اجازت نہیں۔ آپ سوچئے کہ گھوڑا اپنے مالک کا کس قدر ماتحت ہے۔ ہر کام میں آمین کہہ رہا ہے اس کو آگے سے بولنے کی یا نافرمانی کی اجازت ہی نہیں۔

اب دیکھئے کہ گھوڑا اپنے مالک کا کتنا وفادار ہے۔ اونٹ اپنے مالک کا کتنا وفادار ہے۔ کسی نے اگر اپنے گھر میں کتا پال لیا اپنی حفاظت کیلئے۔ کتے کو بھوک لگی ہے لیکن وہ آئے گا تو آکے جوتوں میں بیٹھے گا۔ کبھی کتے کو جرأت نہیں کہ دستر خوان پہ پڑا کھانا جو لوگ کھا رہے ہیں اس میں سے کوئی بوٹی اٹھا کے لے جائے کہ میں بھی بھوکا ہوں۔ قوت ہے طاقت ہے اس کے اندر۔ اگر وہ جھپٹ پڑے تو جو بیٹھے ہوئے لوگ ہیں ان سے روٹی چھین کے لے جائے۔ مگر ایسا نہیں کریگا۔ اس کے بیٹھنے کی جگہ قالین نہیں ہے، اس کے بیٹھنے کی جگہ جوتوں میں ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں ماتحت ہوں اور میری یہی جگہ ہے۔ اور وہ جگہ تو میرے مالک کی ہے۔ تو آپ اندازہ لگائیے کہ کتا اپنے مالک کے جوتوں میں بیٹھتا ہے اور جوتوں سے آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے اس کو ماتحت بنا لیا ہے۔ ساری رات جاگ کے مالک کے گھر کا پہرہ دیتا ہے۔ ساری رات اور صبح اس کے لئے کوئی بستر نہیں ہوتا کتے کا گھر ہی نہیں ہوتا کبھی اس دیوار کے نیچے کبھی درخت کے نیچے۔ اس طرح وہ زندگی گزارتا ہے اور اپنے مالک کے گھر کا پہرہ دیتا ہے۔ جتنے بھی

ڈنڈے مارے کتے کی عادت ہے کہ تھوڑی دیر کیلئے کہیں اوجھل ہو جاتا ہے اور پھر اسی مالک کے دروازے پہ بیٹھا ہوتا ہے۔ جوتے کھا کے بھی اپنے مالک کا گھر نہیں چھوڑتا اور ہماری یہ حالت ہے کہ نعمتیں کھا کے بھی مالک کا در یاد نہیں آتا۔ حالت تو دیکھئے اللہ رب العزت نے حیوانوں کو انسان کا ماتحت بنا دیا۔ اب وہ طاقت میں ہوں یا نہ ہوں وہ سر جھکا دیتے ہیں، اس کی بات مانتے ہیں۔

نکتہ چینی کی گنجائش نہیں:

جس طرح حیوانوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کا ماتحت بنا دیا۔ اسی طرح انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ماتحت بنا دیا۔ لہٰذا جتنے بھی انسان ہیں ان کو چاہیے کہ نبی ﷺ کے حکم پر لبیک اور آمین کہیں کوئی انکار کی گنجائش نہیں۔ نبی ﷺ کی کسی سنت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ کلمہ پڑھ لیا اب ہم نے عہد کر لیا کہ اے اللہ! جس طرح جانور ہمارے ماتحت ہیں اب ہم آپ کے اور آپ کے محبوب ﷺ کے ماتحت ہیں، اب ہم آپ کے غلام ہیں، بندے ہیں آپ کے۔ اے اللہ! اگر ہم جانوروں کے مالک ہیں اور وہ ہماری اتنی فرمانبرداری کرتے ہیں تو اصل مالک تو ہمارے آپ ہیں۔ ہمیں بھی آپ کی فرمانبرداری کرنی ہے تو اس لیے اللہ تعالیٰ کے احکام میں نکتہ چینیاں کرنا، نبی ﷺ کی سنتوں پہ اعترض کرنا ایمان سے محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔ لہٰذا آج کے دور کا یہ بہت بڑا فتنہ ہے یہ جو کالجوں، یونیورسٹیوں کے لڑکے ہیں بچے ہیں آج کل ان کی عادت ہے کہ آپس میں بیٹھ کے یہ موضوع (Topic) چھیڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جی یہ شریعت میں کیوں ہے؟ اور ایمان جیسی دولت سے بسا اوقات محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ معاملہ بہت نازک ہے۔ ذرا توجہ فرمائیے، قاضی ثنا اللہ رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی نے، مالا بدہ، میں یہ مسئلہ لکھا۔ فرماتے ہیں کہ اگر دو بندوں میں گفتگو ہو رہی تھی اور ان میں سے ایک نے کہا کہ یار یہ شریعت کی بات ہے اور سننے والے نے کہہ دیا رکھ پرے شریعت کو، ”فَقَدْ کَفَرَ“ ان

لفظوں کے کہنے سے بندہ کافر بن جاتا ہے۔ یہ کوئی چھوٹی سی بات ہے کہ ایک بندہ شریعت کی بات کرے اور دوسرا کہے، ''رکھ پرے شریعت کو'' یہ اتنا نازک مسئلہ ہے جہاں بھی سنت کا استخفاف ہوگا انسان ایمان سے محروم ہو جائے گا۔ اپنی سستی غفلت کی وجہ سے سنت پر عمل نہ کر سکنا، یہ گناہ ہے مگر اس سے کافر نہیں بنتا مومن رہتا ہے۔ مگر غافل ہوتا ہے، گناہگار ہوتا ہے، فاسق بن جاتا ہے لیکن اگر کوئی بندہ سنت پر اعتراض کر دے، سنت کا مذاق اڑا دے یا ایسی بات کرے جس سے کہ سنت ہلکی نظر آئے بے وزن نظر آئے، سنت کا استخفاف ہو۔ اس سے انسان ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔ سمجھنے والی بات ہے ذرا دل کے کانوں سے سنیے! حکم خدا، حکم خدا ہے اس کی عظمت اپنے دل میں بٹھائیے۔ جب تک سالک کے دل میں حکمِ خدا کی عظمت نہیں ہوگی اس وقت تک نفس کی اس کو لگام نہیں پڑے گی شریعت کی۔ نفس اس کے اندر اپنی منشاء تلاش کرے گا۔ حتیٰ کہ عالم بھی ہے تو قرآن بھی پڑھے گا تو منشاء خداوندی تلاش کرنے کی بجائے اپنی منشاء تلاش کرے گا۔ اس لیے یہ مسئلہ بہت نازک ہے، ہم قرآن پاک میں اللہ رب العزت کی منشاء تلاش کریں اور یہ تب ہوتا ہے جب نفس جھک جائے، اس کو لگام پڑ جائے، حکم خدا کی عظمت دل میں آجائے۔

مالک کی شکر گزاری ایاز سے سیکھیے:

ہمارے اکابرین نے چھوٹی چھوٹی کہانیاں اپنی کتابوں میں لکھی ہیں۔ جیسے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ، اور ان سے بڑے عجیب وغریب نتائج نکالے ہیں۔ بڑی معرفت کی باتیں نکالی ہیں انسان حیران ہوتا ہے، چنانچہ ایک بات جو اس موقع کے مناسب ہے وہ یہ کہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑا نیک مسلمان بادشاہ گزرا ہے۔ غزنہ ایک علاقہ ہے افغانستان کا، اس کے پاس ایک غلام تھا اور اس غلام کا نام ایاز تھا۔ تھا تو دیہاتی آدمی مگر جب بادشاہ کے پاس آیا تو وہ اتنا اچھا خدمت گار تھا کہ بادشاہ کو

پسند آ گیا اور بالآخر بادشاہ کے مقربین میں شامل ہو گیا۔ اب دوسرے لوگ جب ایاز کو دیکھتے کہ اتنی عزت مل گئی ہے تو حسد پیدا ہوتا۔ حاسدین پیدا ہو جاتے ہیں۔ جہاں فضل وکمال ہوتا ہے وہاں حاسدین ضرور ہوتے ہیں اب وہ حاسدین آپس میں **Planing** کرتے رہتے سوچتے رہتے کہ اب ہم کیسے بادشاہ کی نظر سے اس کو گرائیں تاکہ یہ یہاں سے دفعہ دور ہو جائے موقع کی تلاش میں رہتے۔ حسد کی آنکھیں نہیں ہوتی مگر حسد کے کان بہت بڑے ہوتے ہیں اس لیے وہ چھوٹی چھوٹی باتیں سن سنا کے اس کو بڑا ابتنگڑ بنانے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ کیا ہوا کہ ایک دن ان لوگوں نے مل کر بادشاہ سے کہا ہم آپ کے مقرب ہیں، پڑھے لکھے ہیں۔ خاندانی لوگ ہیں، امراء ہیں، لیکن جو آپ کی محبت کی نظر ایاز پر ہے وہ اور کسی پر نہیں تو بادشاہ نے کہا کہ ٹھیک ہے میں کبھی آپ کو اس بات کا جواب دونگا۔ بات آئی گئی ہو گئی اب کیا ہوا کہ ایک دن بادشاہ نے ایک پھل منگوایا، جو کھانے میں ذرا کڑوا ہوتا ہے اس کی قاشیں بنوائیں اور قاشیں بنوا کر اس نے ان سب مصاحبین میں تقسیم کروائیں اور ایک قاش ایاز کو دیدی، اب جس نے بھی کھائی، تھو کڑوی، بادشاہ سلامت بہت کڑوے ہیں، بہت کڑوا، لیکن بادشاہ نے جب ایاز کو دیکھا تو مزے سے پھل کھا رہا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا ایاز کیا یہ کڑوا نہیں ہے؟ بادشاہ سلامت! کڑوا تو بہت ہے۔ پھر تم نے تو آرام سے کھا لیا۔ کہنے لگا بادشاہ سلامت! مجھے خیال آیا آپ کے جن ہاتھوں سے میں زندگی میں سینکڑوں مرتبہ میٹھی چیزیں لے کے کھا چکا ہوں اگر آج کڑوی بھی مل گئی تو میں واپس کیسے کروں۔ مجھے واپس لوٹاتے ہوئے شرم آئی، حیا آئی، اس لیے میں نے کڑوی چیز بھی کھا لی۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر ہمارے اندر بھی یہ چیز پیدا ہو جائے کہ جس پروردگار نے ہزاروں ہمیں خوشیاں عطا فرمائیں۔ اگر کبھی کوئی غم اور تکلیف کی بات بھی پیش آ گئی تو ہمیں بھی چاہیے تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا در نہ چھوڑتے۔ آج تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی انتہا نہیں ہوتی اور اس کے باوجود

ہمیں شکر کرنے کا پتہ نہیں ہوتا۔ ایک واقع تو یہ لکھا۔

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو:

دوسرا واقعہ یہ لکھا۔ انہوں نے بادشاہ کو یہ شکایت بھی لگائی کہ بادشاہ سلامت! ایاز کی ایک الماری ہے لگتا ہے کہ اس میں اس نے کچھ چھپایا ہوا ہے۔ یہ روز اس الماری کو کھول کر دیکھتا ہے اور اس کو تالا لگا کے رکھتا ہے۔ کسی اور بندے کو دیکھنے نہیں دیتا۔ ہمارا خیال ہے، گمان ہے کہ اس نے آپ کے خزانے کے قیمتی ہیرے موتی اس کے اندر رکھے ہوئے ہیں چھپا کے تو آپ ذرا تلاشی لیجیے۔ جب بادشاہ سلامت کو یہ شکایت لگائی گئی تو بادشاہ سلامت نے اسی وقت ایاز کو بلوایا اور بلوا کے کہا' آیاز کیا تمہاری ایسی الماری ہے؟ جی ہے...... تالا لگا کے رکھتے ہو؟ جی...... کسی اور کو دیکھنے دیتے ہو؟ جی نہیں...... خود روز اسے دیکھتے ہو؟ جی ہاں۔ فرمایا چابی لاؤ۔ ایاز نے چابی دے دی۔ بادشاہ نے کسی بندے کو بھیجا کہ جاؤ اور اس الماری میں جو کچھ موجود ہے سب کچھ لا کے یہاں سب کے سامنے پیش کر دو۔ وہ حاسدین بڑے خوش ہوئے کہ دیکھو اب اس کی حقیقت کھل جائے گی اور اس چوری کا سامان سامنے آئے گا تو بادشاہ ابھی اس کو دھکا دے دیگا یہاں سے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ جب وہ بندہ واپس آیا تو اس نے آ کر تین چیزیں رکھیں۔ ایک پرانا جوتا، ایک پرانا تہبند، اور ایک پرانا کرتا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اور اس میں کچھ نہیں تھا؟ اس نے کہا کہ جی نہیں۔ پوچھا ایاز!! اس میں اور کچھ نہیں تھا، جی نہیں...... یہی کچھ تھا جو تالے میں رکھا ہوا تھا...... جی ہاں۔ ایاز اس میں تو کوئی ایسی قیمتی چیز نہیں کہ جسے تم تالے میں بند کر کے رکھو اور کسی کو دیکھنے بھی نہ دو اور ایسی چیز بھی نہیں کہ جسے تم روز آ کر چیک کرو کہ ٹھیک ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ بادشاہ سلامت! بات یہ ہے میرے نزدیک یہ بہت قیمتی ہے۔ بھئی کیوں؟ وہ اس لیے کہ بادشاہ سلامت! جب آپ کے دربار میں پہلی مرتبہ آیا تھا یہ جوتے پہنے ہوئے تھے، یہ تہبند تھا اور یہ کرتا تھا۔ میں نے اس کو محفوظ کر لیا۔ اب میں

روزانہ الماری کھول کر دیکھتا ہوں اور اپنے نفس کو سمجھاتا ہوں ایاز! تمہاری اوقات یہ تھی اپنی اوقات کو نہ بھولنا اب جو کچھ تمہیں ملا ہوا ہے یہ سب تمہارے بادشاہ کا تم پر احسان ہے، اپنے بادشاہ کا احسان سامنے رکھنا۔ تو مجھے اپنی اوقات یاد رہتی ہے کہ میں پہلے کیا تھا؟ اور اب مجھے بادشاہ کے قرب نے کیا عزتیں بخشیں۔ تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کاش ہماری بھی یہی کفیت ہو جاتی کہ ہم اللہ رب العزت کی نعمتوں کا استحضار رکھتے اور ان کا خیال رکھتے اور اپنی اوقات کو یاد رکھتے کہ ہماری اوقات کیا ہے؟ ہمیں تو ذرا کچھ ملتا ہے سب سے پہلے اپنی اوقات بھول جاتے ہیں۔

حکم خدا پہ آنکھیں بند کر کے عمل کیجیے:

جو اصل واقع سنانا تھا (یہ تو تمہید باندھی) اصل واقع جو سنانا تھا مقصود یہ ہے کہ ایک دن بادشاہ نے اپنے خزانے سے قیمتی ہیرا یا موتی منگوایا۔ بہت قیمتی تھا اور ساتھ ایک توڑنے والی چیز بھی ساتھ منگائی اور اپنے درباریوں کو کہا کہ آج میں تمہاری ذہانت کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہ جی بہت اچھا، اب اس نے ایک کو ہیرا دیا اور ہتھوڑا دیا' کہا اسے توڑ دو۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ تو ہماری عقل کا امتحان ہے وہ کہنے لگا کہ بادشاہ سلامت! یہ ہیرا بڑا قیمتی ہے، یہ تو آپ کے خزانے میں سجتا ہے، اچھا لگتا ہے اسے توڑنا نہیں چاہیے۔ بادشاہ نے خوش ہو کے کہا' بہت اچھا۔ وہ سمجھا میرا جواب بالکل ٹھیک ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے دوسرے کو دیا، بھئی یہ ہیرا توڑ دو۔ اس نے بھی معذرت کر دی، الفاظ مختلف تھے مفہوم ایک ہی تھا۔ پھر تیسرے کو دیا، چوتھے کو دیا۔ پھر دربار میں جس کسی کو بھی دیا سب نے ہیرے کو بڑا قیمتی قرار دیا اور اس کو توڑنے سے سب نے معذرت کر دی۔ بادشاہ نے ہر ایک سے لے لیا۔ آخر پہ ایاز بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے ہیرا پکڑایا۔ اور ہتھوڑا دیا اور کہا آیاز اس ہیرے کو توڑ دو۔ ایاز نے اسے زمین پہ رکھا اور ہتھوڑا مار کر اس ہیرے کے ٹکڑے کر دیئے۔ جب لوگوں نے دیکھا وہ کہنے لگے اتنا بیوقوف، اتنا کم عقل،

اتنا بڑا نقصان کر دیا۔ آج تو بادشاہ اس کو نکال دے گا۔ جب ٹوٹا ہوا ہیرا اس بادشاہ نے دیکھا، تو پوچھا ایاز تم نے اس کو توڑ کر ٹکڑے کر دیا آیاز نے آگے سے جواب دیا' بادشاہ سلامت! میرے سامنے دو صورتیں تھیں یا تو میں حکم مان کے ہیرے کو توڑ دیتا یا پھر ہیرے کو بچا کر آپ کا حکم توڑ دیتا۔ میری نظر میں آپ کا حکم ایسے ہزاروں ہیروں سے زیادہ قیمتی ہے میں نے حکم نہیں توڑا میں نے ہیرا توڑ کے ریزہ ریزہ کر دیا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جیسی ایاز کے دل میں بادشاہ کے حکم کی قدر و قیمت تھی۔ کاش کہ حکم خدا کی وہ عظمت ہمارے دل میں آجاتی۔

حکم خدا بالکل نہ توڑیں:

محترم جناب حکمِ خدا حکم خدا ہے۔ عظمت اس کے سامنے رہے۔ اگر بندہ کسی حکم کو توڑنے لگے۔ تو ستر دفعہ سوچے، میں کس کا حکم توڑ رہا ہوں۔ اس لئے کہ جب کوئی بندہ اللہ کے حکم کو اور اس کی حدود کو توڑتا ہے تو پروردگار کو اس طرح جلال آتا ہے کہ جیسے شیر کو اپنے شکار دیکھ کے جلال آیا کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کو جلال میں دیکھیں گے تو پھر ہمارا بنے گا کیا۔ اس لئے حکمِ خدا کو بالکل نہ توڑیں قرآن مجید میں جا بجا فرمایا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا.

یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدود ہیں تم اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔

ایک جگہ فرمایا

وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَه.

لہذا سالکین کو چاہیے کہ اللہ رب العزت کے حکم کی عظمت دل میں پیدا کریں اور احساس رہے کہ کچھ بھی ہو ہم نے اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں توڑنا ہے۔ یہ پہلا قدم ہے تصوّف کا یہ پہلی بات ہے جس کو ہم دل میں بٹھائیں گے تو معرفت کے راستے پہ ہمارا قدم اٹھنا

شروع ہو جائے گا۔ حکم خدا کی عظمت ہمارے دل میں ہو۔ احساس ہو، ایسا نہ ہو کہ ہم حکم خدا کو توڑیں اور اللہ رب العزت کہیں ہم سے ناراض ہو جائیں تو پھر پتہ نہیں ہمارا کیا بنے گا۔

ہٹ دھرمی چھوڑ دیجئے:

آج کا انسان چونکہ کھاتا ہے پیتا ہے من پسند کی نعمتیں ملتی ہیں اس لئے پیٹ بھرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر و قیمت نہیں، احساس نہیں ہے۔ طبیعت کے اندر اس کی ضد ہے، عناد ہے، ہٹ دھرمی ہے۔ آج یہ ہٹ دھرمی اتنی عام ہو چکی ہے کہ شاید سو میں سے نوے سے زیادہ بندے اس کے آپ کو مریض نظر آئیں گے۔ ہٹ دھرمی، جو بات کر دی ڈٹ گئے۔ گھروں میں دیکھو، بیوی بات کرتی ہے کہتی ہے' بس میں نے کر دی۔ خاوند سے لڑائی ہو جاتی ہے، جھگڑے ہوتے ہیں، ڈٹی رہتی ہے۔ دل میں سمجھتی ہے کہ غلط کر رہی ہے، مانتی نہیں۔ خاوند سمجھتا ہے میں بیوی سے ظلم کر رہا ہوں، شریعت کے حکموں کو توڑ رہا ہوں۔ اپنی ضد پہ ڈٹا رہتا ہے۔ دو بھائی ہیں کوئی چھوٹی سی بات ہو گئی ایک نے جو بات کر دی بس ڈٹ گیا اس کے اوپر مقدمے چل رہے ہیں لاکھوں لگ رہا ہے لیکن اپنی بات پہ ڈٹے ہوئے ہیں۔

ہٹ دھرمی شیطانی عمل ہے:

یہ ہٹ دھرمی ...... یہ شیطانی عمل ہے اور دنیا میں سب سے پہلے ہٹ دھرمی شیطان نے کی تھی۔ کائنات میں سب سے پہلے ہٹ دھرمی کس نے کی؟ شیطان نے کی۔ ہٹ دھرمی کیا ہوتی ہے کہ بات بھی غلط کرنا اور پھر اس کے اوپر ڈٹ جانا۔ بجائے شرمندہ ہونے کے تاویلیں نکالنا اور اپنے آپ کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ آج ہٹ دھرمی عام نظر آتی ہے کوئی اپنی غلطی ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتا الا ماشاء اللہ۔

غلطی کی معافی مانگئے:

میرے دوستو! ایک لفظ ہے بہت خوبصورت اور بہت پیارا۔ ''غلطی ہوگئی معاف کر دیجئے'' اب اگر ہم ان الفاظ کو کہنا سیکھ لیں تو ہمارے کتنے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ بیوی کسی موقع پر اگر خاوند ناراض ہو یہ الفاظ کہہ دے غلطی ہوگئی معاف کر دیں تو خاوند معاف کر دے گا۔ بچے سے باپ ناراض ہوا، بیٹا آگے سے کہہ دے ابو غلطی ہوگئی معاف کر دیں۔ تو باپ ناراض ہونے کی بجائے خوش ہو جائے گا۔ دوست دوست کے درمیان جھگڑا ہو گیا اگر ان میں سے ایک کہتا ہے غلطی ہوگئی معاف کر دو تو بڑے بڑے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ مگر یہ لفظ آج تک کسی نے نہیں سکھایا۔ اور یہ پیرومرشد کا کام ہوتا ہے، سمجھے! ان باتوں کو دل میں بٹھا دیتا ہے۔ آج غلطیوں کی معافی ایک دوسرے سے مانگ لینا بہت آسان ہے لیکن قیامت کے دن ان فیصلوں کو نمٹانا۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ قیامت کے دن جس کو کھڑا کر لیا گیا کہ تم ذرا بتاؤ فلاں کو کمینہ کیوں کہا؟ فلاں کو ذلیل کیوں کہا؟ فلاں کو بے ایمان تم نے کیوں کہا؟ ثابت کرو۔ تو پھر وہاں کیا ہماری گت بنے گی؟ ...... آج ہم اپنے جھگڑوں کو سمیٹ لیں ایک دوسرے سے معافی مانگنے کی عادت ڈال لیں۔ یہ الفاظ ہر مومن کے دل میں ہونے چاہئیں ذرا سی کوئی بات ہوئی کوئی رنجش ہوئی کسی سے فوراً کہہ دے غلطی ہوگئی معاف کر دیجئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی صفت:

یہ حضرت آدم علیہ السلام کی صفت ہے۔ جب انہوں نے گندم کا وہ خوشہ کھایا تھا۔ تو پروردگارِ عالم نے پوچھا ''الم انھکما'' کیا تمہیں میں نے منع نہیں کیا تھا؟ تو جب منع کیا تھا تو کیوں کھایا؟ آگے سے یہ نہیں کہا کہ اللہ مجھے بھول ہوگئی۔ میں سمجھا تھا دوسرے درخت کا نہیں کھانا۔ میں نے ارادے سے یہ کام نہیں کیا۔ اس لئے کہ پروردگار خود

فرماتے ہیں۔ فَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کے اندر نافرمانی کا ارادہ نہیں دیکھا۔ دلوں کے بھید جاننے والے پروردگار خود گواہی دے رہے ہیں کہ ان کے دل میں نافرمانی کا ارادہ نہیں تھا، غلط فہمی ہوئی تھی، بھول ہوگئی تھی۔ اب بھول کی وجہ سے کھا لیا تھا۔ شیطان نے قسمیں کھائی تھیں، اس پر یقین کر لیا تھا کہ یہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور ہمیں اس درخت کا پھل نہیں کھانا۔ جس سے منع کیا گیا۔ مطلقاً پھل سے منع نہیں کیا۔ ہم دوسرے درخت کا پھل کھا لیتے ہیں تو انہوں نے دوسرے درخت کا پھل کھا لیا۔ چنانچہ پروردگار کا عتاب ہوا۔ جیسے ہی پوچھا کہ کیا ہم نے تمہیں منع نہیں کیا تھا۔ آگے سے کوئی جواب نہیں کوئی logic نہیں کوئی صفائی نہیں فقط ایک سیدھی سی بات کی ''ربنا ظلمنا انفسنا'' دیکھا یہ ایمان والوں کی صفت ہوتی ہے۔ کوئی آگے سے Excuse نہیں۔ جب فرمایا کیوں کھایا؟ عاجزی کے ساتھ کہا

''رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ''

دیکھا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی صفت ہے فوراً غلطی کو مان لینا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت ہے۔ لہٰذا مومن وہ ہوتا ہے جو اپنی غلطی کو جلدی تسلیم کر لے ورنہ غلطی تسلیم کرنے کی بجائے جھوٹ بولتے ہیں۔ سروس میں دیکھ لیجئے۔ دفتر کا کلرک اپنی غلطیوں کو چھپانے کیلئے افسر کے سامنے جھوٹ بولے گا اور پتہ نہیں جھوٹ کی ایک سیریز چل پڑتی ہے۔ کیا یہ سب سے آسان کام نہیں ہے کہ غلطی کو تسلیم کر لیں۔ اس نے کہا جی آپ نے یہ کام غلط کیا، جی مجھ سے غلطی ہوئی میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ وہ افسر بجائے ناراض ہونے کے الٹا بندے سے راضی ہو جائے گا۔ تو اس کو اپنانا چاہیے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی صفت ہے اور مومن اپنے رب سے جلدی معافی مانگنے والا ہے۔ شیطان نے بھی غلطی کی جب پروردگار نے فرمایا ''اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ'' تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ''اِلَّا اِبْلِيْسَ''

ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اب فرمایا اے ابلیس! تم نے کیوں سجدہ نہ کیا جب پروردگار نے پوچھا تو بجائے اس کے کہ غلطی تسلیم کرتا آگے سے اس کی Reason دینے لگا اس کی وجہ بتانے لگا۔ Excuse کرنے لگا

"خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ"

پروردگار مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا اسے مٹی سے پیدا کیا۔ آگ مٹی پر فضیلت رکھتی ہے. اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ۔ میں اس سے فضیلت رکھتا ہوں۔ تو میں اس کو کیسے سجدہ کرتا۔
اب جو اس نے غلطی پر ہٹ دھرمی کا اظہار کیا تو پروردگار نے فرمایا "فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْم" نکل جا میرے دربار سے تو مردود ہے۔ تو پھر دیکھا جو حکم خدا کو توڑتا ہے تو پھر پروردگار عالم کیسا اس کا حشر فرماتے ہیں۔ یہی نہیں کہ دربار سے نکالا بلکہ فرمادیا "اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ" قیامت کے دن تک تیرے اوپر لعنتیں برستی رہیں۔
اللہ اکبر! تو جو بندہ غلطی بھی کرے پھر ہٹ دھرمی بھی کرے تو پھر اس کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو شیطان کے ساتھ ہوا۔

جیسے کرنی ویسے بھرنی نہ مانے تو کر کے دیکھ
جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے نہ مانے تو مر کے دیکھ

تو آج ہٹ دھرمی بڑھ گئی ہے چھوٹا بھائی بڑے کی بات نہیں مانتا آگے سے logic، بیٹا ماں کی نہیں مانتا آگے سے logic، شاگرد استاد کی نہیں مانتا آگے سے logic، کیا مصیبت آگئی ہے۔ اس ہٹ دھرمی کے گناہ سے کوئی توبہ بھی نہیں کرتا حتی کہ اگر صاحب علم بھی ہے اور کوئی غلط مسئلہ کر بیٹھا ہے۔ تو اب ہار نہیں مانے گا بلکہ کتابیں تلاش کرے گا مجھے اپنی اس بات کی تائید کیلئے کہیں کچھ مل جائے۔ اب وہ قرآن و حدیث میں رب کی منشا تلاش کرنے کی بجائے اپنی منشا ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اس سے گمراہی بڑھتی ہے۔ یہود کا یہی بڑا جرم تھا کہ وہ بات کر دیتے تھے پھر اللہ کی کتاب میں اپنی منشا کو تلاش کرتے تھے۔

ڈھونڈتے تھے ہماری سپورٹ میں کہیں کوئی آیتیں مل جائیں کوئی حکم خدا مل جائے تورات کا۔ اس لئے ان کو پھٹکار دیا گیا تو آج ہٹ دھرمی کے گناہ سے توبہ کرلیں اور اگر غلطی ہو تو فوراً معافی مانگیں غلطی سے معافی مانگنے میں جلدی کرنا یہ صفت اللہ تعالیٰ کی بڑی پسندیدہ ہے اور اس سے بڑے بڑے مسئلے بندے کے حل ہوتے ہیں۔ اپنے مسئلے دنیا میں سلجھالیں ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن یہی مسئلے ہمیں لے ڈوبیں۔ وہاں کھڑے ہونا اور جواب دینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اپنے مسئلے دنیا میں سلجھالیجئے:

محمد شاہ ایک بادشاہ گزرا ہے، حکمران کا اس کے جو سپاہی تھے ایک مرتبہ اس کے ساتھ تھے تو یہ شکار کو نکلا۔ بادشاہ سلامت شکار کھیل رہے ہیں پیچھے سپاہیوں کے ہاتھ میں ایک بوڑھی عورت کی گائے آگئی۔ انہوں نے اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو بھون کر کھا لیا۔ بڑھیا نے کہا مجھے اس کے پیسے دے دو تا کہ میں کوئی اور گائے خرید لوں۔ انہوں نے کہا کہ کوئی پیسہ نہیں۔ اب وہ بڑی پریشان ہوئی کسی عالم کو بتایا کہ میرا تو روزی کا معاملہ اسی پر تھا یہ سپاہی لوگ اس کو کھا بھی گئے اور پیسے بھی نہیں دیتے میں کیا کروں؟ انہوں نے کہا کہ بادشاہ نیک آدمی ہے تم ڈائریکٹ بادشاہ سے بات کرو۔ اس نے کہا مجھے یہ شرطے آگے جانے نہیں دیتے۔ میں کیا کروں۔ انہوں نے کہا کہ میں طریقہ بتاتا ہوں کہ پرسوں بادشاہ نے اپنے گھر واپس جانا ہے اور اس کے گھر کے راستے میں ایک دریا ہے اور اس کا ایک ہی پل ہے اور یہ اس پل سے لازمی گزرے گا، تم اس پل پر پہنچ جاؤ اور جب بادشاہ کی سواری گذرنے لگے تو اس کی سواری کو روک لینا اور اپنی بات کر لینا۔ چنانچہ بڑھیا وہاں پہنچ گئی اب جو بادشاہ کی سواری وہاں پہنچی تو بڑھیا تو پہلے ہی انتظار میں تھی۔ اس نے کھڑے ہو کر بادشاہ کی سواری کو روک لیا۔ بادشاہ نے کہا اماں! سواری کو کیوں روکا؟ تو بڑھیا کہنے لگی کہ محمد شاہ! میرا اور تیرا ایک معاملہ ہے اتنا پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس پل پہ حل

کرنا چاہتا ہے یا قیامت کے دن پل صراط پہ حل کرنا چاہتا ہے۔ پل صراط کا نام سنا بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ نیچے اترا، کہنے لگا اماں میں اپنی پگڑی تیرے پاؤں پہ رکھنے کو تیار ہوں بتا کیا تکلیف پہنچی ہے۔ مجھے معافی دے دو میں اس قابل نہیں کہ پل صراط پہ کسی جھگڑے کا سامنا کر سکوں۔ چنانچہ اس نے اپنی بات بتائی، بادشاہ نے ستر گایوں کے قریب قیمت دے دی اور معافی مانگ کر بڑھیا کو راضی کرلیا کہ قیامت کے دن پل صراط پہ میرا دامن نہ پکڑ لے۔ یہ کوئی آسان کام ہے کہ کوئی بندہ قیامت کے دن ہمارا دامن پکڑ لے نہیں۔ اسی دنیا میں ہم اپنی غلطی کی معافی مانگیں۔ یہی حقوق العباد ہے۔ اللہ رب العزت کے حق ہم نے ضائع کیے تو اللہ جلدی معاف فرما دیں گے۔ مگر حقوق العباد بندوں سے معاف کروانے پڑیں گے۔ ہم کتنوں سے معاف کروائیں، کتنوں کی غیبت کی کتنوں پہ بہتان لگائے۔ کتنوں پہ ہم نے جو ہے کیا کیا باتیں کیں لیکن ہم نے کوئی معافیاں نہیں مانگی اور دیکھنے میں صوفی بنے پھرتے ہیں۔

حقوق العباد اور ورد وظیفے:

یاد رکھنا! یہ ورد وظیفے کوئی کام نہیں آئیں گے۔ جہاں حقوق العباد کا معاملہ آ جائے معافی مانگنی ہے، اس کو عادت بنا لیجیے...... کیا؟ غلطی ہوگئی معاف فرما دیجیے۔ اتنے پیارے الفاظ ہیں۔ جب بھی کوئی بات ہو جائے اور آپ محسوس کریں کہ میں نے کسی کا دل دکھایا ہے، میں نے کسی کا حق مارا ہے، میں نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے، ظلم کیا ہے، فوراً کہہ دیجیے غلطی ہوگئی معاف کر دیجیے۔ میرے دوستو! اگر اس نے معاف کر دیا۔ کتنا ہی آپ نے بڑا جرم کیوں نہ کیا ہوگا اللہ تعالیٰ آپ کے نامہ اعمال سے اس کو مٹا دیں گے۔ تو دنیا میں معافی مانگ لینا آسان ہے اور قیامت کے دن اس کا جواب دینا یہ مشکل کام ہے۔ ہمارا تو حال یہ ہے کہ غلطی بھی کرتے ہیں اور معافی بھی نہیں مانگتے ہیں۔

اللہ والوں کا معاملہ:

اور اللہ والوں کا یہ معاملہ کہ وہ نیکیاں بھی کر رہے ہوتے ہیں اور پھر اللہ سے معافیاں مانگتے ہیں۔ اے اللہ جیسے نیکی کرنے کا حق تھا ہم حق ادا نہیں کر سکے، اللہ ہماری غفلتوں کو معاف کر دینا۔ نیکی کر کے معافیاں مانگنا یہ کتنی عجیب بات ہے، ہم گناہ کر کے معافی نہیں مانگتے، وہ نیکیاں کر کے معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید سے دلیل سنیے۔ اللہ رب العزت ان بندوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جو دین کے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے اپنے گھروں سے نکلتے ہیں اور جہاد کرتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ

کتنے انبیاء تھے جن کے ساتھ رب والے (جن کو ہم آج اللہ والے کہتے ہیں) ان کو ربیون، رب والے کہا گیا۔ کتنے اللہ والے نیک لوگ انبیاء کے ساتھ نکلے جہاد کرنے کے لیے اور انہوں نے جہاد پوری استقامت کے ساتھ کیا۔

فَمَا وَهَنُوْا لِمَا اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ

ایسا جہاد کیا، نہ سستی آئی نہ وہ تھکے، نہ ڈرے بلکہ جہاد کرتے رہے۔ جنہوں نے اتنے نیک کام کیے تھے اب ان کو تو مانگنا چاہیے تھا۔ اللہ بڑا مرتبہ چاہتے ہیں تیرے راستے میں بڑی قربانیاں دیں مگر سوچیے ان اللہ والوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا کوئی اپنا عمل پیش نہیں کیا۔ بلکہ آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوْا'' ان کا قول کیا تھا اپنے رب کے سامنے،

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا

سنیے جو جان کی بازی لگا رہے ہیں۔ جو اللہ کے نام پر اپنی جانوں کے نذرانے پیش

کر رہے ہیں وہ اپنے عمل کو پیش کر کے احسان نہیں جتلا رہے ہیں۔ بلکہ کیا کہتے ہیں، رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وہ اپنے کاموں کے اندر جو کمی کوتاہی ہوگئی اسراف ہو گیا وہ اس کی معافی مانگ رہے ہیں تو یہ صفت ہے ان نیک لوگوں کی جو اعمال بھی نیک کرتے ہیں اور معافیاں بھی مانگتے ہیں۔

دوستو! ہم اگر گناہ کر کے معافی بھی نہیں مانگیں گے۔ سوچیں پھر ہمارا کیا معاملہ بنے گا۔

سیدنا نوح علیہ السلام کا معافی مانگنا:

اس سے ذرا اور اونچی بات سن لیجیے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کا تذکرہ فرمادیا' سیدنا نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ آپ کی قوم نے آپ کی بہت بے قدری کی، بہت نافرمانی کی، اب ہم آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو بچالیں گے اور ان سب کو ہم دنیا سے نیست و نابود کرلیں گے۔ چنانچہ کشتی بنا لیجیے، وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا، ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری نگاہوں کے سامنے کشتی بنائیے، وَوَحْيِنَا، ہماری وحی کے مطابق بنادیجیے اور ظالموں کے بارے میں سفارش مت کیجیے گا۔ چنانچہ طوفان آتا ہے۔

اب ایسے موقع پر نوح علیہ السلام ایک جگہ کھڑے ہیں ان کا ایک بیٹا جن کے عمل اچھے نہیں تھے ان کو فرماتے ہیں کہ بیٹا، يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا، اے بیٹے ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہوجاؤ اور کافروں کے ساتھ نہ ہو۔ مگر بیٹا آگے سے جواب دیتا ہے کہ میں اس پہاڑی کی چوٹی پہ چڑھ جاؤں گا۔ يَعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاءِ، اور یہ مجھے پانی سے بچادے گی۔ ابھی گفت و شنید ہی ہو رہی تھی، اسی دوران، وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ۔ ایک موج جو اٹھی اور بیٹا باپ کی آنکھوں کے سامنے غرق ہوگیا۔ اب شفقت پدری نے جوش مارا' پروردگار کی طرف سے خوشخبری بھی تھی کہ میں آپ کے اہل خانہ کو

نجات دے دوں گا، بچالوں گا۔ اب شفقت پدری کے جوش کی وجہ سے انہوں نے دعا مانگی، اے پروردگار! اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ، میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا، وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ، اور آپ کے وعدے سچے ہیں وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ، پروردگار عالم تو سب سے بڑا حاکم ہے۔ بس اتنی بات کہنی تھی۔ پروردگار کی طرف سے جلال بھرا خطاب آیا فرمایا، يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ، اے نوح! یہ آپ کے اہل میں سے نہیں تھا، اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ۔ اس کے اعمال گندے تھے، اچھے نہیں تھے۔ اور آگے سے پروردگار نے اور بھی بات کردی، ذرا دل تھام کے سن لیجیے! فرماتے ہیں،

فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ

اے نوح! آپ مجھ سے وہ مت پوچھیے جس کا علم نہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ جاہلوں میں سے ہو جائیں۔ جیسے ہی یہ خطاب ہوا آگے سے کوئی عذر نہیں کوئی وجہ کوئی دلیل نہیں کوئی logic نہیں۔ جیسے ہی خطاب آیا، اِنِّيْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فوراً کہا،

رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ط وَاِلَّا تَغْفِرْلِيْ وَ تَرْحَمْنِيْ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ

دیکھا یہ ہوتے ہیں معافیاں مانگنے والے۔ یہ انبیاء کی صفت ہوتی ہے۔ حالانکہ ان کے پاس دلیل تھی۔ پروردگار میرا بیٹا اہل میں سے تھا مگر کچھ نہیں کہا۔ جیسے ہی جلال بھرا خطاب آیا فوراً ہی اپنی بات پہ خاموش ہو کے معافی مانگنے لگے۔ وَاِلَّا تَغْفِرْلِيْ وَتَرْحَمْنِيْ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ

اسی دنیا میں معافی مانگ لیں:

رب کریم ہمیں بھی سمجھ عطا فرمائے۔ ہم اپنی غلطیوں کی کوتاہیوں کی اپنے پروردگار

کے سامنے اسی دنیا میں معافی مانگ لیں تاکہ قیامت کے دن سرخرو ہو جائیں۔ میرے دوستو! قیامت کے دن کی ذلت بہت بڑی اور بہت بری ہو گی۔ اس ذلت سے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرما دے۔ اور آج دنیا کے اندر دوسروں کے سامنے اپنی غلطیوں کو تسلیم کر لینا آسان کام ہے اس لیے اس بات کو یاد رکھ لیجیے کہ جب کسی کا دل دکھے یا کسی کو تکلیف پہنچا بیٹھیں یا محسوس کریں کہ اسکرین پہ محسوس کیا ہے میری بات کو فوراً کہہ دیجیے غلطی ہو گئی معاف کر دیجیے۔ غلطی ہو گئی معاف کر دیں۔ جو بندہ اللہ کے بندوں سے غلطیوں کو معاف کروا لے گا پھر پروردگار بھی کرم فرمائیں گے اور اس بندے کی غلطی کو جلدی معاف فرما دیں گے۔ رب کریم ہم پر احسان فرمائے۔ اور قیامت کے دن ہمیں بخشش کیے ہوئے گنہگار بندوں کی قطار میں شامل فرمائے...... آمین،

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین